وَ مَا تشآؤنَ اِلّا أَنْ يَّشآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِين ہ

سارے عالم کے پالنے والے جو چاہتے ہیں وہی ہوگا تم جو چاہتے ہو۔ وہ ہرگز نہیں ہوگا

کتاب وسنت کی روشنی میں ''تقدیر'' کے عنوان پر لاجواب اور بے مثال کتاب

مؤلف

مفتی محمد سجاد حسین القاسمی

پیش لفظ

نومبر کے مہینہ میں ایک صاحب اپنے بیٹے کے بارے میں میرے پاس شکایت لے کر میرے گاؤں کے عزیز بابو ''آرزو'' کے ذریعہ آئے کہ وہ میری مرضی سے شادی نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ اپنی مرضی سے ''محبت'' میں گرفتار ہو کر شادی کرنے کے لئے بضد ہے۔ جبکہ لڑکی والا بہت مالدار، رعبدار ہیں۔ ان کو اپنے بچے کی مرضی کا خیال کر کے شادی کرنے کے لئے پیغام بھی بھیجا تو ان لوگوں نے ہم لوگوں کو حقیر سمجھ کر نکاح کے پیغام کو انکار کر دیا اور سختی سے تنبیہ کر دی کہ دوبارہ اس معاملے کو نہیں اٹھانا! لڑکی بھی شادی کرنے سے انکار ہی کر رہی ہے۔ مگر میرا لڑکا ہے کہ بس ''میری مرضی اور خوشی'' اسی لڑکی سے نکاح کرنے میں ہے کہہ رہا ہے اور اسی کے پیچھے پڑ کر برباد ہے۔ اب بات عام ہو گئی ہے۔ ہم لوگ تو یہاں بنگلور میں ہیں۔ اگر گھر پہ رہتے تو بہت کچھ غلط معاملہ ہو جاتا! لیکن گھر پہ آ آ کر گالی گلوج کر کر کے پورے گاؤں میں اتنا شور مچا دیا ہے کہ ہم لوگوں کی بڑی بدنامی ہو گئی ہے۔ اس لئے ہم لوگوں کے لئے کچھ تعویذ کا کام کر کے مسئلہ کو سدھار دیجئے!

اس طرح کے اب تک تیس سالوں کے درمیان ان گنت معاملات آئے ہیں۔ مگر یہ شخص کچھ زیادہ پریشان تھے۔ اس لئے میں نے اس کے سوال کے مطابق اس لڑکے کے لئے دعائیں اور ترکیب تو کر دی۔ مگر ہر معاملہ صرف ترکیب اور دعاء ہی سے حل نہیں ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ ''دعاء'' و ''ترکیب'' ہے۔ اصل عاملین لوگ اس طرح کے لوگوں کے آنے پر ان کے ''کام'' ہو جانے کے لئے اصل کام بنانے والے یعنی ''اللہ رب العزت'' سے لنک کر کے کام بن جانے کے لئے تواضع اختیار کرنے کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ وہ تو میں نے توکل علی اللہ کرتے ہوئے سائل کے حق میں کر دی۔

اس کے علاوہ خیال آیا کہ اس طرح جو عشق و محبت میں نئی نسل گرفتار ہو کر من موجی اور میری مرضی کے خیال سے آزادانہ طور پر قابیل و اقلیما کی طرز معاشرت کو اپنا رہے ہیں۔ یہ آخری نبی ﷺ کی تعلیم کے مطابق بھی غلط ہے۔ اس سے شریعت مطہرہ یعنی دین اسلام اور قرآنی قوانین کا مقصد ''صالح نظام معاشرت'' کے قیام میں بہت فرق پڑ رہا ہے۔ اس لئے اصلاح معاشرہ کے لئے اس عنوان سے کچھ تبلیغ دین کی نیت سے اسلامی قوانین و ضوابط کو بھی ایک جگہ جمع کر کے ایسے بھاگ بھگوڑے والے بچے اور بچیوں کی تربیتی تحریر ضروری ہے۔ اس لئے میں نے اس موضوع اور اس کے

ذیلی عنوانات سے متعلق چند اصلاحی باتیں لکھی ہے۔

امید ہے کہ اس کتاب سے عوام کو خصوصاً انگریزیت وعیسائیت طرز معاشرت میں پلنے والے بچے بچیوں کے خیالات اسلامی خیالات میں انسٹال ہو جائے اور اسلامی مقصد کے مطابق نئی نسل نیک اور صالح معاشرت کو قائم کرنے میں لگ جائیں گے۔

واضح رہے کہ ''انسان'' جو بھی کام کرتا ہے۔اس میں خواہی نخواہی ''اللہ تعالیٰ'' سے لنک کے ساتھ قانونی انہی کی ہدایت اور سرکل میں انہی کے بتلائے ہوئے خاص طریقۂ عمل (ورکنگ) سے صحیح ہوتا ہے۔ یوں کہ لیجئے کہ ''اللہ کے قانون ''اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم'' کی روشنی میں انسان کا ہر عمل اور کام ''انسان'' اور ''اللہ'' کے درمیان ففٹی ففٹی طور پر ''اللہ'' سے ''دعاء'' اور ''تقدیر'' کی لنک کے ساتھ ہوتا ہے۔

اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ ''اقراء'' میں ''اقراء باسمِ ربِّکَ ہ الذی خلقَ ہ خلق الانسانَ مِنْ عَلَق ۃ کے اندر بیان کیا ہے کہ ''پڑھو! ریسرچ کرو! یعنی جو بھی کام کرو! وہ اپنی مرضی سے نہ کرو۔ بلکہ اس کو ''اسم ربک'' اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے مالک حقیقی ''اللہ'' کے بتلائے ہوئے طریقے اور ہدایات کے مطابق کرو! اس آیت میں جو رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے، وہ یہی دیا ہے کہ کسی بھی کام میں ''میری مرضی اور میری خوشی'' نہ کرو! اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام قرآن مجید میں دوسری ہدایت ''وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ'' کے ذریعے بندے کو سکھایا کہ تم کسی بھی کام میں صرف اپنے محدود عقل کے دائرہ اور سرکل ہی کے اندر ہر کام کو مت کرو! بلکہ ہر کام کو اپنے رب تعالیٰ اور پالن ہار کے اوپر سونپ کر انہی کی ہدایت وقانونی طریقے اور پٹری پہ چل کر کرو! ہمیشہ کامیاب رہو گے۔ پھر یہ بھی کہ تیرے ذمہ صرف اللہ کی لنک سے بس کام کرنے کی ذمہ داری نبھانی ہے۔کام کے نتیجے کو ہر حال میں حاصل کرنا نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ ہر حال میں ممکن نہیں ہے۔ کیوں کہ ''اطاعت'' کے قانون کی روشنی میں، انسان کا ہر کام ''انسان'' اور ''اللہ'' کے درمیان ففٹی ففٹی طور پر ''اللہ'' سے ''دعاء'' اور ''تقدیر'' کی لنک کے ساتھ ہوتا ہے۔ یعنی انسان کے ہر کام میں ''تقدیر'' کی شمولیت اور لنک ہوتا ہے۔

جیسے ''کھیتی'' میں انسان کھیت میں ''دانا'' کھیت کے حوالے کرنے تک کے عملوں کا ذمہ دار ہے۔ اس کے بعد ''پودا'' نکالنا، اس میں پھل پیدا کرنا، مزہ ڈالنا، مقدار کا ہونا، اچھا یا خراب ہونا، وغیرہ وغیرہ، سب انسانی اختیار سے باہر کے کام ہیں۔ یہ سب کام صرف خدا کے ذمے اور اختیار میں ہیں۔

پس ہر کام میں ''اقراء'' یعنی ریسرچ وکھوج والے عمل کو ''اللہ کی ہدایت ''باسم ربک'' کے عین موافق ''اللہ تعالیٰ'' سے لنک کر کے ان سے صحیح قانون کی جانکاری حاصل کر کے کام کرنے کے لئے پہلے ''اللہ'' سے دعاء کی جائے گی، تا کہ خدائے تعالیٰ خوش ہو کر بخوبی اپنا کام پورا کر دیں اور رحمت سے نوازیں۔ ہر چھوٹے اور مجبور افرادوں کو اپنے بڑے کے لنک سے یہی حال ہے۔ یہی ''اطیعو اللہ'' کے حکم پر عمل کرنا ہے۔ اسی کے مطابق مجھ سے شکایت کرنے والے شخص کی میں نے مدد تو کر دی!

مگر! اس کے بعد قانونِ رب کے موافق دوسرے نمبر پر، اللہ کو کسی نے چونکہ دیکھا نہیں ہے، نا ہی اللہ کے براہ راست

دیکھنے کی کسی میں قوت ہے۔اس لئے اللہ کی ہدایات وقوانین کو جان کر پریکٹیکلی طور پر عمل کرنے کے لئے "رسول اللہ ﷺ" کے ذریعے اللہ ہی کے بتلائے ہوئے طریقے کو "فالو" کرنا "اطیعوالرسول" ﷺ کے حکم الٰہی کے مطابق ضروری ہے۔

تیسرے نمبر پر "انسانی خاص کام کے لئے اللہ و رسول ﷺ کے حکم اور قانون کے مطابق محنت اور توجہ کے ساتھ "اُولوالامر" کی نگرانی اور مشورہ سے یعنی اس کام کے صحیح جاننے والوں کی صحیح رائے کے مطابق کام یعنی عمل کرنا ہے۔یہی "اولوالامر منکم" کے حکم الٰہی پر عمل کرنا ہے۔کام میں عمل کے بعد پھر "اطیعواللہ" کے حکم کے مطابق "اللہ" تعالیٰ ہی سے دعاء کرنی ہے۔اسی سے "لَو اور امید" اسی اصلی پالنے والے اور پیدا کرنے والے "اللہ" سے کرنی ہے۔تاکہ وہی اپنے علم سے اس میں فضل اور برکت ڈالے اور مراد کو پوری کردے۔

پس انسان کا عمل اوپر کے طریقے کے مطابق قانون کے دائرہ میں اگر ہوتا ہے، اور اگر اس کام کا "ہوجانا" اس بندہ کی تقدیر میں لکھا ہوتا ہے تو "قانون" کی صفت ظاہر ہوکر کام کا نتیجہ صحیح اللہ تعالیٰ نکال دیتا ہے۔جس سے بندہ خوش ہوجاتا ہے۔اس کے برخلاف اگر بندہ کام کا "نہ ہونا" تقدیر میں لکھا ہوتا ہے تو پھر اس کے صحیح عمل میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ اللہ تعالیٰ پیدا کردیتے ہیں۔جس کے سبب اس کا "کام" نہیں بنتا ہے۔

لیکن بندہ کے کام اس کے مقدر میں نہ ہونے کی وجہ سے نہ بننے کی صورت میں بھی، اس کا عمل ضائع نہیں ہوتا ہے۔کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام "اِنَّ اللہَ لَا یُضِیعُ أَجرَ المُحسِنِینَ" کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے "اجر" کو ضائع نہیں کرتا ہے" کی وجہ سے اس کا بدلہ یا تو اسی دنیا میں دیر سے اور موقع محل سے دیتا ہے یا پھر اس کے لئے اس کے عمل کو آخرت کے لئے جمع کردیتا ہے۔قیامت کے بعد اس کا بدلہ اُسے ہر حال میں ملے گا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ اس لئے کرتا ہے کہ وہ رَب بندہ کو ہر حال میں "اچھا" دیکھنا چاہتا ہے۔بندہ بہت سا کام اپنے خیال سے اچھا کرتا ہے۔مگر وہ اس کے حق میں بروقت برا ثابت ہوتا ہے۔جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔اس لئے اس کا نتیجہ حاصل ہونے میں رکاوٹ ڈال دیتا ہے۔اس سے بندہ کے ایمان کی منجانب اللہ آزمائش بھی مقصود ہوتی ہے۔اس وجہ سے چونکہ منجانب اللہ ابھی بندہ کے حق میں آزماش کی گھڑی جاری ہوتی ہے۔اس لئے کام کرنے کے باوجود اس کا نتیجہ حاصل نہیں ہوپاتا ہے۔

ایسے موقع سے بندہ کو صبر کرکے اپنے عمل کو جاری رکھنے کا حکم دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے دوسرے پارے میں اس تعلق سے صاف صاف اعلان کردیا ہے" ولَنَبلُوَنَّکُم بشیءٍ مِّنَ الخَوفِ ،وَالجوعِ، وَ نَقصٍ مِّنَ الاَموَالِ وَالانفُسِ واالثَّمَرَات وَ بَشِّرِ الصَّابِرِینَ" کہ ہم تم کو کبھی کسی چیز سے ڈرا کر، کبھی بھوکا رکھ کر، کبھی مال ودولت کو کم کرکے، کبھی کسی کو مار کر، کبھی پھلوں کو کم کرکے کبھی، اندوہناک مصیبت وغم کے اسباب پیدا کرکے، کبھی خوب ترقی دے کر، کبھی انتہائی ذلیل کرکے، کبھی شکایات کروا کر، کبھی تعریف کروا کر، اسی طرح کبھی کچھ کم کرکے، کبھی کچھ زیادہ کرکے، امتحان لیتے رہتے ہیں۔اس لئے کام کے طریقے اور قانون میں اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی سبب کو لگا کر، جب انسان کے لئے وہ کام فائدہ مند نہیں ہوتا ہے تو کبھی اس میں غلطی کروا دیتا ہے۔یعنی قانون سے ہٹوا کر کام کرا دیتا ہے۔جس کے سبب اس کام کا صحیح نتیجہ نہیں

نکلتا ہے۔اسی طرح کبھی انسان کام کو قانون کے مطابق پوری طرح کرتا ہے۔مگر اس کا صحیح نتیجہ نہیں نکالتا ہے،اور بندہ اس میں ناکام ہوجاتا ہے۔ایسا اس لئے اللہ تعالی کرتا ہے کہ وہ رب جانتا ہے کہ یہ کام بندہ کے لئے بروقت مناسب نہیں۔

پس جب بندہ عمل کے بعد ناکام ہوجائے تو اس کو''عَـمِـلُـوالصّٰلِحٰتِ''نیک عمل کرنے کی یعنی''قانون کی روشنی میں کام کرنے کی تاکید کی جاتی ہے۔یعنی اللہ کا حکم ہوتا ہے کہ دیکھو! شاید کام میں کہیں نہ کہیں قانون الٰہی کی مخالفت ہوئی ہے۔پس جب دوبارہ قانون کے عین مطابق صحیح عمل اور ورک کیا جاتا ہے،تب بندہ کامیاب ہوجاتا ہے اور کام کا صحیح نتیجہ اور پھل پالیتا ہے۔

اگر پہلی بار ہی میں یا دوسری بار میں بھی یا بار بار عمل کرنے کے باوجود قانون الٰہی کی پوری رعایت کے ساتھ کام کیا گیا۔پھر بھی کام پورا نہ ہوا تو اب یہ اس کی تقدیر کا حصہ ہے۔یہاں پر''میری مرضی اور خوشی''نہیں چلے گی۔بس آمنا و صدقنا!''آمنت باللہ''یعنی اللہ پر ایمان لانا چاہئے کہ''تقدیر میں زندگی بخشنے والے کی طرف سے ایسا ہی لکھا تھا۔جس میں کوئی نہ کوئی خیر کا پہلو چھپا ہوا ہے جو یقیناً بعد میں ظاہر ہوگا''!سمجھنا چاہئے!

سورۂ اعراف آیت ۱۷۲/۷ میں اللہ تعالی نے واضح کردیا ہے''وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ'' کہ اللہ تعالی نے بنی آدمؑ سے عالم ازل ہی میں تمام انسانوں کو پیدا کرکے ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب ہوں یا نہیں! تو سبھوں نے اقرار کرتے ہوئے کہا کہ''ہاں!ہاں! ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں۔پھر اللہ نے کہا کہ پھر قیامت کے دن یہ مت کہنا کہ ہم غافل تھے''۔

اس آیت کے متعلق مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالی نے تمام انسانوں کو چیونٹی کی شکل میں پیدا کرکے دو حصوں میں تقسیم کرکے ایک گروہ کو آدمؑ کے دائیں جانب رکھا اور ایک حصہ آدمؑ کے بائیں جانب رکھا۔دائیں جانب جتنے انسان تھے۔وہ سب جنتی لوگ تھے اور بائیں جانب جو تھے،وہ سب جہنمی تھے۔یہ سب انسان اپنے اپنے وقت وزمانہ میں اس کائنات میں باپ کی پشت سے نکل کر ماں کے شکم میں اور ماں کے شکم کی عمر عموما ۹/ماہ طے کرکے اس دنیا میں توشہ،کرم و قسمت لے کر آتا ہے۔اسی وجہ سے یہ اپنے خیال سے کچھ نہیں کرپاتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی ایک کی تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن نطفہ کی صورت میں رہتی ہے۔پھر چالیس دن جمے ہوئے خون کی صورت میں رہتی ہے۔پھر چالیس دن گوشت کے ٹکڑے کی صورت میں رہتی ہے۔پھر اللہ تعالی اس کے پاس ایک فرشتہ کو چار کلمات دے کر بھیجتا ہے جو ماں کے پیٹ میں پلنے والے بچہ کے پاس آکر وہ چار کلمات لکھ دیتا ہے۔پہلا کلمہ اس کا عمل لکھتا ہے۔دوسرا کلمہ اس کی مدت حیات یعنی عمر لکھتا ہے۔تیسرا کلمہ اس کا رزق لکھتا ہے۔چوتھا کلمہ اس کی شقاوت یعنی بدبخت اور دوزخی ہونا یا پھر نرم یعنی جنتی ہونا لکھ دیتا ہے۔اس کے بعد اس بچہ کے اندر جان پڑنے کے لئے روح حکم الٰہی سے پھونک دیتا ہے۔

اس کے بعد انسان اس دنیا میں اپنی مقررہ مدت ماں کے پیٹ میں گذار کراس دنیا میں آتا ہے۔ کنز العمال ر ج ۱ ر ص: ۱۳۰۶ ر پر حدیث ہریرہ منقول ہے ’’ عَن أبی هرَیرَةؓ أنَّ رسولَ اللّٰهِ ﷺ قالَ کلُ مولودٍ یُولَدُ علٰی فِطرَةِ(و فی روایة" الأسلَامِ") فَابَواهُ یُهَوِّدَانِه او یُنصِّرَانِه أو یُمَجِّسانِهِ ‘‘ کہ ہر بچہ ر بچی فطرتِ اسلام ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے والدین (اور سرپرست لوگ اسے اپنے ماحول وکلچر کی تربیت میں پال پوس کر اپنے جیسے اثرات میں) اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں‘‘۔

چنانچہ اگر وہ اولاد غلَط ماحول میں پلا بڑھا تو وہ اپنی زندگی کا ایک حصہ غلط راہ میں گذارتا ہے۔ لیکن وہ اگر دنیا میں آتے وقت ماں کے پیٹ میں اللہ کے حکم سے ان کے فرستادہ فرشتے کے اس کی قسمت کے لکھے چار کلمات میں سے اگر جنتیوں کی فہرست میں ہوتا ہے تو وہ اخیر عمر میں یا موت سے پہلے پہلے ایمان لا کر، کوئی نیک عمل کر لیتا ہے، جس کے سبب، اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح اولاد نیک ماحول میں پل بڑھ کر نیک بن کر اچھی معاشرت میں زندگی گذارتا رہتا ہے۔ مگر اس کا نام دوخیوں کی فہرست میں لکھا ہوتا ہے تو وہ موت سے پہلے پہلے کوئی ایسا غلط اور گھناؤنا کام کر گذرتا ہے کہ اس کی ساری نیکیاں ڈیلیٹ ہو جاتی ہیں اور اس کی موت بری صورت سے ہوتی ہے اور وہ اپنی تقدیر کے سبب دوزخ میں چلا جاتا ہے۔

یہ وہ بچہ ہوتا ہے کہ علم ازل میں یہ حضرت آدمؑ کے بائیں طرف کے پیدا ہونے والے بچوں میں تھا۔ اسی طرح جو جنت میں جاتا ہے۔ وہ ان کے دائیں طرف کے پیدا ہونے والے بچوں میں تھا۔

اس حدیث سے مسلمان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے اسلام پر ہونے پر، اسی طرح کسی بھی نیک عمل پر غرور وتکبر نہ کرے۔ آج کل بہت سی خبریں ایسی سنی اور بلکہ دیکھی جا رہی ہیں کہ بہت سے مسلمان لڑکے اور لڑکیاں غیر مسلموں کے ساتھ شان بان سے مرتد ہو کر غیر مسلم ریتی رواج سے مندروں میں نکاح کر کے مسلم خاندان ہی کے درمیان زندگی گذار رہے ہیں۔ یہ ان کی قسمت میں لکھا تھا۔ اس لئے ہوا۔ تبلیغ دین اسی لئے مسلمانوں پر فرض ہے۔ تاکہ وہ ابن آدمؑ کو دین پر قائم رکھ سکے۔ بھٹکنے نہ دیں۔ اسی طرح خود بھی خوف وامید کے درمیان رہے اور تقدیر پر شاکر اور اللہ کی رضا پر راضی رہے۔

حضرت علیؓ سے بخاری ہی میں حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانہ دوزخ میں لکھ دیا گیا ہے یا پھر جنت میں لکھ دیا گیا ہے۔ صحابہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! پھر تو ہم عمل کرنا چھوڑ دیتے ہیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں تم اپنا کام کرتے رہو، جو فطرتاً نیک اور جنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے نیکی کے کام کو آسان کر دے گا اور جو فطرتاً برا ہے۔ اس کے لئے برائی کے کام کو آسان کر دے گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے سورۃ اللیل کی آیت ’’فَاَمَّا مَن اَعطٰی وَاتَّقٰی ہ وَصَدَّقَ بِالْحُسنٰی الخ....تلاوت کی (تلاوت کر کے یہ بتلانا غرض تھی) ’’وہ شخص جس نے عطا کیا گیا اور اپنے رب سے خوف کرتے ہوئے، ہر نیکی کی تصدیق کی، تو ہم عنقریب اس کے لئے نیک کاموں کو آسان کر دیتے ہیں۔

اس حدیث میں صحابی رسول ﷺ کے تقدیر میں ہر کچھ لکھے ہونے کے سبب جو اعتراض ہوا کہ ''پھر تو ہمیں عمل چھوڑ دینا چاہیے؟'' کا جواب دینے کا خلاصہ چار چیزیں ہیں۔ ایک: ''اللہ تعالی کا علم۔ دوسری: ''بندہ کی تقدیر۔ تیسری: ''بندہ کا عمل۔ تیسری: عمل میں بندہ کو منجانب اللہ اختیار اور آزادی۔ جہاں تک اللہ تعالی کے علم کی بات ہے تو چونکہ اللہ کا علم محدود نہیں لامحدود ہے۔ اسی طرح چونکہ بندہ کا خالق وہی اصلی اللہ ہے۔ اس لئے اس خالق اللہ کے علم میں کائنات کی تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ اس کے اندر کی اشرف المخلوقات کے ہر گوشے کے بارے میں ''علم و جانکاری'' رہنا لازم ہے۔ جیسے اس دنیا میں انسان ایک چیز فیکٹری میں تیار کرتا ہے تو اسے معلوم رہتا ہے کہ یہ چیز کیسی ہے؟ کتنی دیر تک کام کرے گی۔ خراب ہو جانے کے بعد اس کی ریپیری ہوگی یا نہیں! ریپیری ہوگی تو کس طرح اور کون کرے گا۔ اس کے کیا طریقے ہیں وغیرہ وغیرہ!

پس چیز کے بنانے والے کے علم میں اس چیز کے ہر گوشے سے علم رہنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ وہ چیز جب فلاں وقت میں اپنی تقدیر و بناوٹ کی وجہ سے ٹوٹ ہی جائے گی تو پھر کیوں اسے بنائی جائے؟ اسی طرح خریدار بھی اس چیز کو خرید کر اس لئے یوز کرنا نہیں چھوڑے گا کہ یہ چیز تو اپنی قسمت کے اعتبار سے ایک عمر کے بعد خراب ہی ہو جائے گی، تو کیوں خریدیں اور کیوں یوز کریں۔ نہیں! بلکہ اس چیز کو ضرورت کے بقدر استعمال کی جائے گی۔ اگر چہ وہ اپنی بناوٹ و تقدیر کے سبب اکسپائیری وقت وڈیٹ کے بعد اسے پھینک دینا پڑے۔

ٹھیک اسی طرح انسان کی بناوٹ اور اس کی قوت کے لحاظ سے اس کے ابتدائے تخلیق سے لے کر موت اور اس کے بعد تک کے پورے حالات اس کے خالق یعنی اللہ تعالی کے علم میں ہوتے ہیں اور ہونا بھی ضروری ہے۔ کیوں کہ خالق کو علم رہنا ضروری ہے۔ ورنہ خالق کی خالقیت میں اعتراض ہو جائے گا۔ اس لئے انسان اپنے خالق کے نزدیک اپنی تقدیر کے ہر گوشے سے ظاہر و باہر ہوتا ہے کہ وہ کیا کرے گا۔ کس طرح کریگا۔ کیسے کرے گا۔ کب کرے گا۔ وغیرہ وغیرہ!

اس کے بعد اشرف المخلوقات کو بناوٹ و خمیر میں چونکہ ''عمل'' کرنے کی صلاحیت اور اس کے لئے اختیار بھی اپنے فضل سے عطا کی ہیں۔ اسی طرح انسان کو عمل کے اختیار کی ''صلاحیت'' اس کے پارٹس آف باڈی کی قوت و کوائیلیٹی کے موافق عطا کی ہیں۔ اسی وجہ سے انسان اپنا کام اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ اسی طرح یہ عمل ''بدن'' میں قوت کی مقدار میں کرتا ہے۔ جب قوت ختم ہو جاتی ہے، تب اختیار بھی جاتا رہتا ہے۔ اگر وہ چاہے بھی تو نہیں عمل کر سکتا ہے۔

جیسے ایک شخص کھانے پر طاقت رکھتا ہے۔ مگر اس کے بدن میں قوت اور کیلشیم اس قدر ختم اور ''لو Low'' ہو چکا ہے کہ نہ خود وہ کھا سکتا ہے، نا ہی کسی کے کھلانے سے کھا سکتا ہے۔ آپ سنے ہوں گے کہ فلاں شخص بالکل دانا پانی بند کر دیا ہے۔ حالانکہ انسان ہونے اور اپنے عمل میں مختار ہونے کی وجہ سے وہ کھانے پر قدرت رکھتا ہے۔ مگر موجودہ سوچویشن میں وہ کھانے پر قدرت نہیں رکھتا ہے۔ یہاں اس کا اختیار ختم ہو گیا ہے۔ بندہ کے اس حالت کا بھی ''اللہ'' تعالی کو ازل ہی سے علم تھا اور حال میں بھی ہے۔

معلوم ہوا کہ انسان کے بدن کی بناوٹ کے مٹیریل اور پارٹس کی قوت کے بارے میں ''اللہ'' انسان کے پیدا ہونے سے پہلے سے علم رکھتا ہے اور جب یہ پارٹس قوت کھودیتے ہیں، تب کی حالت کو بھی اللہ جانتا ہے۔ اسی لئے رب

تعالی نے بندہ کو ہدایتی کلام پیش کیا کہ جب تک سانس چلتی رہے۔بدن کے پارٹس صحیح سے کام کرتے رہیں۔تبھی سے ان کے بحال رکھنے اور حفاظتی صورت پر عمل کرتے رہنا ضروری ہے۔جہاں اس میں قانون سے لا پرواہی کرے گا۔وہ سب ان بیلنس ہو کر متاثرہ پارٹس قائم نہیں رہیں گے۔جب یہ پارٹس اپنی فطری قوت پر بحال نہیں رکر اپنی قوت کھودیں گے تب ان کے اختیار بھی ختم ہو جائے گا۔اس تعلیم و ہدایت سے واضح ہو گیا کہ انسان کے اختیار کا لنک اور تعلق اس کے بدن کے پارٹس کی فطری قوت کے بحال رکھنے کی صورت میں ہے۔یہ صورت بھی اللہ انسان کے بارے میں جانتا ہے۔اسی اللہ تعالی سب سے پہلی وحی اور ہدایت ''أقـرَا: بـاسـمِ رَبِّكَ ہ الَّـذِیْ خـلَـقَ ہ'' جونازل کی تو اس میں کل کائنات کی چیزوں کے لکلکل فات ، کیفیات، کمیات، استعمال کے نفع کی شکل وصورت اور رپوائنٹس کو لفظ ''اَقْرَاء'' کے ذریعہ''اسمِ رَبِّكَ '' اپنے نام کے ساتھ صحیح طور وقانون وہدایت کے ساتھ ریسرچ اور جاننے کے لئے حکم دیا ہے۔اس کی وجہ وحکمت بھی ''اَلَّـــذِیْ خـلَـقَ '' والی اگلی آیت پیش کر کے بتلادی ہیں کہ ''اپنے اصلی خالق کے نام سے ریسرچ و جانکاری حاصل کرنے کا کام اس لئے کرنا ہے کہ اسی رب نے تمہیں اور تمہارے لئے کل کائنات کی چیزوں کو استعمال کر کے اپنے پارٹس کی فطری قوت کو بعینہ بحال رکھ کر ہمیشہ معتدل رہنا ہے''۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ انسان کا اختیار اس کے عمل میں کلی طور پر ہے۔جسے اللہ تعالی پہلے سے جانتا ہے۔اس لئے کہ وہ خالق ہے۔اسی طرح جاننا چاہئے کہ انسان کا ''عمل'' اس کے ''اختیار'' و''مرضی'' کے بعد ہے۔پس جب کوئی عمل اسے در پیش ہوتا ہے تب بندہ اختیاری طور پر عمل کرنے نہ کرنے میں اختیار ہوتا ہے۔اس اختیار میں اسے اپنے قانون'' لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ اَلَّا وُسعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَیهَا مَا اكتَسَبَتْ '' کے ذریعے اس زبردستی نہیں کی ہیں۔بلکہ اختیار کلی اور آزادی سے عمل کے اچھے اور برے دورخوں اور طریقوں میں سے کسی بھی رخ وراستہ کو اختیار کرنے پر اختیار و آزادی حاصل ہے۔

اللہ تعالی نے اپنی طرف سے بندہ کو''اختیار'' کی صلاحیت دے کر، اس کے اختیار کو اپنے قانون'' أقـرَاء بِـاسـمِ رَبِّكَ ہ الَّـــذِیْ خـــلَـــقَ ہ پیش کر کے البتہ ترغیب دی ہے کہ وہ ہمیشہ میرے نام کو یاد رکھ کر میرے قانون ہی کے مطابق ''عمل'' کر کے جس آرام دہ جگہ ''جنت'' سے نکل گیا ہے۔اسی جنت میں آجائے۔جبکہ اللہ تعالی بندہ میں سے کون اس آیت کے موافق اپنے اختیاری عمل کر کے جنت حاصل کر سکے گا۔کون اس آیت کے قانون سے ہٹ کر جنت کو کھو کر تکلیف میں پڑ جائے گا۔کیوں کہ وہ خالق ہے۔جنہیں مخلوق کی حالت کا علم رہنا لازم ہے۔ورنہ ان کی ربوبیت و خالقیت کی صفت کا کوئی معنی نہیں رہ جائے گا۔

یہ حقیقت ٹھیک استاذ کے اپنے شاگردوں کی صلاحیت اور چالاک وکمزور شاگرد کے پہچاننے اور جاننے کی طرح

ہے۔ایک صحیح اور ماہر استاذ اپنے چالاک اور اچھے شاگرد کے امتحان میں پاس ہو جانے کو اور کمزور اور غلط راہ پر چلنے والے شاگرد کو امتحان میں فیل ہو جانے کو جانتا ہے۔مگر وہ کمزور اور چالاک دونوں قسم کے شاگردوں کو یکساں طور پر پڑھنے کے عمل کو کرنے کے لئے کہتا اور ترغیب دیتا ہے۔

پس اللہ کے علم میں بندہ میں سے کون اچھا ہے اور جنتی ہے۔اسی طرح کون برا ہے اور وہ دوزخی ہے۔جاننے کے باوجود دونوں طرح کے بندوں کو یکساں طور پر ''عملو الصلحت'' نیک عمل یعنی الٰہی قانون کے مطابق اپنا ہر ''عمل'' کرنے کے لئے ترغیب دی ہیں۔اس لئے بندہ کو اللہ کی طرف سے چیز کی اچھی اور بری حالت کیفیت جان لینے کے بعد اس کی عقل کا تقاضا اور فیصلہ اللہ کے اشارہ وترغیب کا فولو کر کے اپنے اختیار کو ''نیک عمل'' کو اختیار کر کے جنت و آرام ہی کو حاصل کرنا چاہئے۔یعنی اسے اپنے بدن کے پارٹس کی ان کے بنانے والے کی جانکاری اور ان کے مناسب جانکاری دینے کے مناسب ومطابق اپنے پارٹس کی حفاظت کرنی چاہئے۔کیوں کہ صحیح عقل ہمیشہ آرام حاصل کرنے کے لئے ہی مشورہ دیتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے بندوں پر جو احکامات روزہ نماز حج اور زکوۃ کو لادا ہے۔اس کی یہی وجہ ہے۔

اب واضح ہے کہ ''اللہ'' کو انسان،اس کے بدن کی بناوٹ کے ہر پارٹس،ہر پارٹس کی قوت اور ایکسپائری ڈیٹ و اوقات اور ان پارٹس کی قوت میں کمی اور بیشی اور ان دونوں کی وجہ سے انسان کے عمل کا رخ اور حالت سب معلوم ہیں۔اللہ تعالیٰ مخلوقات کے بارے میں تمام گوشے سے معلومات ہی کے تحت بندے کے اوپر اپنے ہدایتی ضروری قوانین اور ان پر صحیح سے عمل کر کے بتلانے والے پیغمبران کو بھیج کر انہی کے بتلائے طریقوں اور اصولوں کے موافق عمل کرنے کے لئے حکم دیا ہے۔اگر چہ یہ حکم دینا اللہ کا بحیثیت رب وخالق کے اپنی جگہ اور اپنے سرکل وفولڈر میں ہے۔

اسی طرح اللہ کے حکموں پر عمل کرنے کے لئے انسان کو اختیار الگ فولڈر میں ہے۔پھر اس اختیار کو برقرار رکھنے کے لئے بدن کے پارٹس کی قوت وطاقت کو باقی رکھنے کی صورت لگانا الگ چیز ہے۔بندہ کو اس کا بھی اختیار ہے،جس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر چیز کے نفع اور نقصان دونوں کو ایک مناسب قانون کے تحت استعمال کرنے کے لئے حکم دے کر ہر چیز کو اس کے استعمال کرنے کے قوانین کے دائرہ اور سرکل میں نفع بخش بنا دیا ہے۔جیسے ''آگ'' بظاہر نقصان دہ چیز ہے۔مگر یہ انسان کے نہایت ضروری اور مفید بھی ہے۔پس اس سے فائدہ حاصل کرنے کے کیا قانون ہے۔کس سرکل میں یہ فائدہ پہونچائے گا اور کس سرکل میں کس طریقے سے یہ نقصان پہنچائے گا۔اس کی تفصیل بندہ کو جاننا ضروری ہے۔اسی لئے اپنا کلام قرآن مجید بھیجا۔اس میں آگ کی کل کیفیت اور اس سے نفع حاصل کرنے اور اس کے نقصان سے بچنے کے لئے اصول وطریقے کو واضح کر کے اس کو سمجھنے کے لئے ''عقل'' عطا کی اور عمل میں اختیار دیا ہے۔اسی طرح تمام مخلوقات میں نفع اور نقصان پہونچانے کی صلاحیت ہے۔جب چیز اللہ کے حکم وقانون و ہدایت کے مطابق استعمال میں آتی ہے تو وہ نفع ہی پہنچاتی ہے۔اس کے خلاف میں نقصان پہنچاتی ہے۔انسان کو چیز کے نفع والی صفت سے بھی نفع حاصل کرنے کے قانون معلوم کرنا ضروری ہے۔اسی طرح اس کے نقصان والی صفت سے بھی نفع حاصل کرنے کے قانون وطریقے کو جاننا ضروری ہے۔اسی اصل وقانون کو جاننے کے لئے قرآن کے کل دفعات و

اصول انسانی بدن میں انسٹالنگ لازی ہے۔اسی لازمی اصول کے ماننے کو"اسلام" ماننے والے کو"مسلمان" یعنی ماننے والا اور انسٹالنگ کے بعد کی نظر آنے والی حالت "اخلاق" اور "ڈیسیپلین" کہا جاتا ہے۔

اگر بندہ دنیا کی چیز کو اسی کے خالق اور ان کے صفات و کیفیات کے جاننے والے رب کی ہدایت کے مطابق استعمال کرتا رہے تو بدن کے پارٹس کو جن جن قوت اور جتنی قوت کی ضرورت ہے۔وہ اسے حاصل ہوتی رہے گی اور بدن کے پارٹس تندرست وتوانا ہوکر اپنی فطرت پر قائم رہیں گے اور ان کے سبب انسان بھی اپنے اختیار کو فطرت کے باب و فولڈر میں بھرپور استعمال کر سکے گا۔جیسے انبیاء کی تعلیم کے بعد ان کے پیروکاروں نے کیا۔

حضرت علیؓ سے بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانہ دوزخ میں لکھ دیا گیا ہے یا پھر جنت میں لکھ دیا گیا ہے۔اس کا معنی اس کے عمل اور اس میں اختیار میں صحیح اور غلط اختیار کو اختیار (فالو) کرنے کی وجہ سے ہے۔جب یہ بات صحابہؓ کو سمجھ میں نہیں آئی تو انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! پھر تو ہم عمل کرنا چھوڑ دیتے ہیں! یعنی جب انسان کے جنت اور دوزخ میں جانے کے بارے میں اللہ پہلے سے فیصلہ کر دیا ہے تو پھر عمل کر کے کیا فائدہ ہے؟ ہماری قسمت میں جو ہوگا۔وہ ہوگا! ہم برا عمل کریں یا اچھا عمل! جنت میں جانا ہوگا تو جنت میں جائیں گے ہی۔اسی طرح دوزخ میں جانا مقدر ہوگا تو دوزخ میں جائیں گے ہی! تب آپ ﷺ نے سمجھایا کہ نہیں! تم اپنا کام کرتے رہو، جو فطرتاً نیک اور جنتی ہے۔اللہ تعالی اس کے لئے نیکی کے کام کو آسان کر دے گا۔یعنی اس کے نیکی کے عمل کرنے کی اس کی زندگی کے کسی مرحلے میں ہر حال میں توفیق عطا کر دے گا۔یعنی جو اپنے پارٹس کی قوت وکیلشیم کو باقی رکھنے کی صورت والا عمل کر کے حکم الہی والی ذمہ داری نبھاتا رہے گا۔اس کے سبب اس کا عمل پارٹس کی قوت کے سبب آسان ہوتا رہے گا۔اس کے برخلاف جو فطرتاً برا ہے۔ اس کے لئے برائی کے کام کو آسان کر دے گا۔یعنی جو اپنے پارٹس کی قوت وکیلشیم کو باقی رکھنے میں لاپرواہی کا عمل اختیار کرے گا تو اس کے اس عمل کے سبب اس کا عمل پارٹس کی طاقت میں کمی کے سبب کے سبب مشکل کر دے گا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے سورۃ اللیل کی آیت "فَاَمَّا مَنْ اَعطٰی وَاتَّقٰی ہ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی الخ ....تلاوت کی (تلاوت کر کے یہ بتلانا غرض تھی) "وہ شخص جس نے عطا کیا گیا اور اپنے رب سے خوف کرتے ہوئے، ہر نیکی کی تصدیق کی، تو ہم عنقریب اس کے لئے نیک کاموں کو آسان کر دیتے ہیں۔آسان کرنے کا مطلب اللہ تعالی اس کو پارٹس میں قوت پیدا کرنے کے لئے شکلیں پیدا کر دیتا ہے۔

اسی لئے سورۂ طلاق کی آیت ۲ میں ہے "من یتق اللہ یجعل لہ مخرجًا" جو اللہ سے ڈرتا ہے۔یعنی ان کے علم کے موافق دی ہوئی ہدایت پر عمل پابندی سے عمل کرتا ہے۔اللہ اس کے لئے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے۔اس لئے آدمی کو توکل علی اللہ ہر حال میں کرنا چاہئے۔"توکل" کا معنی "اسباب کے شرعی قوانین کے موافق اختیار کر کے صحیح عمل کرنے کے بعد نتیجہ کو اللہ پر چھوڑ دینے" کو کہتے ہیں۔"توکل" کے ساتھ صحیح عمل کرنے کے باوجود نتیجہ غرض کے موافق نہ حاصل ہو تو یہ "تقدیر" ہے۔

لیکن خیال میں رہے کہ اس کا اجر و بدلہ آخرت میں بہرحال ملے گا۔ اسی طرح اس کے محنت کے دُبلے گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔ اس آیت کے ذیل میں مسروق سے مروی قول ہے کہ ہر چیز کے اندازہ سے مراد، اس کا ایک خاص وقت اور اس کا انجام مقرر ہونا ہے۔ اسی لئے بندہ پر توکل یعنی اپنے ہر معاملے میں اللہ ہی پر بھروسہ کرنا اور اپنے جملہ معاملات کو اللہ ہی پر سونپ دینا واجب ہے۔ اس لئے انسان کو اپنے ہر کام کو ہر حال اور سوچویشن میں ''اللہ'' ہی کے سپرد کر دینا چاہئے۔

مفسر قرآن ''مقاتل'' اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ''ہر چیز کیلئے سختی اور آسانی اور اس کی مدت مقدر اور مقرر ہے۔ اسی طرح مفسر قرآن ''خطابی'' کا قول ہے کہ ''قدر'' کا معنی اللہ کا پیشگی اندازہ یعنی ازل میں ان کا ''علم'' ہونا ہے اور ''قضا'' کا معنی ''اسی علم کے موافق چیزوں کا پیدا کرنا ہے''۔

پس جب انسان تقدیر سے معلق ہے تو ایسی صورت و سوچویشن میں اسے ہر حال میں ''نماز'' اور ''صبر'' و نماز'' کے ذریعے اطاعت الٰہی کرتے ہوئے عمل کی ذمہ داری نبھانے کے عمل کو جاری رکھنا چاہئے، اور اپنی بندگی میں سر مو فرق بندگی میں نہیں آنے دینا چاہئے۔ یہی اسلام دین کی تعلیم ہے۔ اسی میں بھلائی ہے۔ ''دین اسلام'' میں ''دین'' کا معنی قانون اور ''اسلام'' کا معنی ہی بندگی، اطاعت، اور پسند آئے، تب بھی اور ناپسند آئے، تب بھی ہر حال میں اللہ ہی کی مان کر چلنا ہے۔ اس لئے قسمت پر ایمان رکھنا چاہئے۔ کیوں کہ یہاں اسلام دین کا معنی ''جھکنا'' پایا جاتا ہے۔

دین اسلام کے اس معنی کے زبان سے اقرار کر لینے کے بعد اس کو عملی طور پر ظاہر اور شو کرنے کے لئے سب سے پہلا جو ایمان کا تقاضا اور الٰہی حکم ہے۔ وہ ''نماز'' کا عمل ہے۔ نماز میں پہلے قیام ہے، جو اکڑ پن اور تکبر کا اُلٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا تکبر میری صفت ہے۔ میری مرضی میری صفت ہے۔ اس لئے جب کھڑے ہو نماز کے لئے تو پہلے ہاتھ باندھو اور اپنے ایمان کے اقرار کو ظاہر کرو کہ یا اللہ میں تکبر نہیں کروں گا، بلکہ ہاتھ باندھ کر ادب سے اسی طرح کھڑا ہوتا ہوں، جیسا کہ آپ کی مرضی ہے۔ اس کے بعد نماز میں اللہ نے کہا ہاتھ باندھ کر میرے حکم کو مان تو لئے، اب ذرا منہ سے میری چاہت اور مرضی کے مطابق پہلے میری حمد و ثنا اور تعریف میرے بولے ہوئے جملوں ''سبحانك اللهم وبحمدك و تبارك اسمك و تعالى جدك ولا اله غيرك'' ہ کے ہی ساتھ کرو کہ ''اے میرے رب! تیری ذات پاک ہے اور تیری ہی تعریف ہے، اور تیرا ہی نام بابرکت ہے، اور تیری ہی بزرگی بلند ہے تر ہے، اور تیرے علاوہ کوئی معبود برحق کوئی نہیں ہے''۔

جب بندہ رب کے حکم کی اطاعت کے مطابق ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑے ہو کر رب تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زبان سے بھی تعریف کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اب تو اے میرے بندے! اطاعت کرنے کو ذرا جھک کر کے دیکھا۔ جب بندہ مؤمن اپنے ایمان کو قیام یعنی کھڑے ہونے کی حالت سے تکبیر کہتا ہوا فوراً جھک کر فرماں برداری کرتا ہے اور اللہ کے حکم کے مطابق تسبیح کہتا ہے کہ اے اللہ! اے میرے رب! تیری ذات پاک ہے۔ جب رکوع کی تسبیح پڑھ کر بندہ اپنے اصلی خالق اور رب کی فرماں برداری جھک کر یہ زبان اور جسم کو جھکا کر یہ ثابت کر دیتا ہے کہ یا اللہ! میں تیری ہی مرضی کے مطابق کام کرتا ہوں! تو رب تعالیٰ پھر حکم کرتا ہے ''اب کھڑے ہو کر تھوڑی دیر کھڑے رہو اور نارمل قیام کر کے پھر

ناک زمین پر رکھ کر پورے جسم کے مقدس چیز''سر'' کو جھکا دو! تب مانوں گا کہ تو مکمل طور سے''میری مرضی'' سے ہی چلتے رہیں گے! تب بندہ فوراً عملی طور پر جھٹ تکبیر بلند کرتا ہوا سجدہ میں جا کر پھر رب تعالی کی بار بار تسبیح کرتا ہے''یا اللہ! اے میرے رب! تو بہت بلند مرتبہ والی ذات ہے! اس کے بعد اللہ تعالی کہتا ہے ایک بار نہیں ایک بار اور اسی طرح اطاعت و فرماں برداری کر کے ایمان کو ثابت کرو اور بار بار اسی طرح ثابت کرتے رہو!

بندہ جب سجدہ کر کے مکمل اطاعت کرتا ہے، تب اللہ تعالی اس کی تمام مرادوں کو پوری کرنے کے لئے وعدہ کرتا ہے! اور اس''اطاعت'' کے معنی کے مطابق دنیا میں رہنے اور چلنے والے بندے کو''اللہ'' دارین میں رحمت فرماتے ہیں۔ اگر دنیا میں رحمت کے بجائے زحمت ہی نصیب ہوئی تو یہ بھی تقدیر ہی کا حصہ ہے۔ لیکن آخرت میں ہر حال میں''رحمت'' اس کے لئے مقدر ہے۔ وہاں یقیناً اسے اللہ تعالی کامیاب کرتا اور انعام دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ اپنی مخلوق پر کامل اختیار رکھتا ہے۔ اللہ اپنے کامل اختیار سے ایک مخلوق جب پیدا کرتا ہے تو اس کے وجود و قیام کے لئے اچھی اور بری شکل کے سرکل میں کچھ چیزوں کو رکھنا فرض ہوتا ہے۔ مثلاً جاندار کی پیدائش کا اختیار اللہ کو ہے۔ جب وہ کسی جاندار کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے کھانے کی کیفت وصورت''منہ'' کو بناتا ہے۔ جب کھانے کے لئے''منہ'' بناتا ہے تو کھائی جانے والی چیز کو باہر نکلنے کے لئے لازمی طور پر''پاخانہ'' کی جگہ بھی بنانا فرض ہے۔ ورنہ کھائی جانے والی چیز ہضم ہو کر ایک ہی جگہ جم جائے گی اور چیز وجود میں نہیں رہیے گی۔ اس لئے پاخانہ کی جگہ کا بنانا ضروری اور فرض ہے۔ اب منہ کی جگہ مقدس جانا گیا۔ اس لئے کہ یہ سامنے ہے۔ اس سے خوشبو اور اس میں دوسرے انسان سے میل جول کے لئے کشش ضروری ہے۔ اس لئے جو چمڑے اور گوشت کے ٹکڑے منہ پر ہیں یہ قسمتاً خوش نصیب اور اچھی قسمت اور مقدر والے ہیں۔ یہ ان کی نصیب ہے۔ اس میں کسی کا اختیار نہیں۔ اللہ کی چاہت ہے۔

اسی طرح''پاخانہ کی جگہ'' کھائی جانے والی چیز کے پیٹ میں گلنے، پچنے کے بعد بدبودار سٹھی اور بھونسہ کے باہر نکلنے کے لئے ضروری تھا۔ اس سبب سے یہاں کے گوشت وہڈی وغیرہ کل چیزیں گندی چیز کے نکالنے کے لئے مخلوق یعنی بنائی گئی ہیں۔ یہ اس جگہ کے گوشت وہڈی کی نصیب اور اس کے مقدر ہے۔ یہ اسی میں راضی برضا ہے۔

اسی طرح اس کائنات کی تخلیق میں گرمی اور ٹھنڈی کی ضرورت تھی۔ گرمی کی جگہ جہنم ہے۔ ٹھنڈی کی جگہ جنت ہے۔ کائنات کے وجود کے لئے یہ دونوں ضروری تھے۔ ان دونوں یعنی جنت اور جہنم کے اندر انسان ہی جائے گا، جو انسان آدمؑ کے بائیں جانب مخلوق ہیں۔ وہ دنیا میں آ کر یہاں کی چیزوں کو اللہ کے قانون کے خلاف استعمال کرنے اور عمل کرنے کے سبب اس کے بدن جہنم میں جا کر اس کے ایندھن بننے کے لائق ہوں گے۔ ان کی ضرورت اللہ کی طرف سے پیدائشی طور پر جہنم کے حق اور اس کے جلنے کے قائم رہنے کے لئے ضروری تھا۔ اس لئے ایسے لوگوں کو اللہ دنیا میں بھیج کر انہیں جہنم کے لائق بننے کے لئے آخری عمل برے اور شعلہ والے عمل کی توفیق دیں گے۔ یہ اس کے حق میں تقدیر معلق میں سے ہے۔ اس کے برخلاف آدم کے دائیں جانب کی مخلوق انسانی جنت میں رہنے کے جنت کے مناسب اور لائق تھیں۔ اس لئے ان کو ان کی نصیب سے آخری عمل جنتی عمل کی توفیق دی جائے گی۔ یہ بھی ان بندوں کے حق میں تقدیر

معلق میں ہے۔ یہ ان کا مقدر اور ان کی نصیب! البتہ! خالق کی طرف سے جو تقدیر دو ہیں۔ایک مبرم۔ایک معلق۔اس سلسلے میں جانئے کہ تقدیر مبرم اسٹرکچر اور پلاننگ لے آوٹ کی طرح ہے۔یہ ایک بار بن جانے کے بعد بدلتا نہیں ہے۔پس جنت میں رہنے کے لئے دائیں طرف والے ابن آدم اور دوزح میں اس کے دوام وقیام کے لئے ابن آدم مثل اسرکچر اور پلاننگ لے آوٹ کے ہیں۔جو انسان جس کے لئے مقرر ہیں۔وہ اس کی نصیب ومقدر ہے۔البتہ عمل میں اختیار کے سبب دونوں طرف کی مخلوق انسانی میں سے جو فرد انسانی بھی اللہ کے نیک عمل والے قانون پر بعینہ فالو کرے گی۔وہ اپنے عمل کے سبب جنت یا جہنم میں جائیں گے۔وجہ نیک وبد عمل کے سبب اللہ کی خوشی اور ناراضگی ہیں۔پس جو بندہ اللہ کے قانون وہدایت کے مطابق ٹھیک ٹھیک عمل اپنے اختیار سے کریگا خواہ وہ بندہ فطرتا آدم کے بائیں جانب ہی کیوں نہ عالم ازل میں منقسم ہوں۔وہ جنت میں جائے گا۔اس کے برخلاف جو بندہ اللہ کے قانون وہدایت کے عین مطابق ٹھیک ٹھیک عمل نہیں اختیار کرے گا۔وہ خواہ دائیں جانب ہی کیوں نہ عالم ازل میں منقسم ہوکر ہوں۔وہ دوزح میں جائیں گے۔بس دارو مدار انسان کے ''نیک یا بدعمل'' کے اختیار کرنے پر ہے۔پس جنت یا جہنم میں جانا یہ تقدیر معلق ہے۔جس میں تبدیلی ''عمل''پر موقوف ہے۔

یعنی وہ آدم کے دائیں جانب والے بندے جو پیدائش کے بعد تقسیم میں آدمؑ کے دائیں جانب عالم ازل میں چلے گئے تھے۔ان کے دنیا میں بری صحبت اور ماحول میں رہنے سے برے عمل کرنے کے سبب اللہ ان کے حق میں ناراض ہوکر اس جنتی بندے کو جہنم میں جانے کے لئے فیصلہ سنا دیتا ہے۔جس کے سبب وہ جہنم میں چلے جاتے ہیں۔اسی لئے بندہ کو ہمیشہ نیک عمل کرنے والی الٰہی ترغیب پر عمل کرنا چاہئے۔

اسی طرح آدمؑ کے بائیں جانب والے بندے جو پیدائش کے بعد تقسیم میں آدمؑ کے بائیں جانب عالم ازل میں چلے گئے تھے۔اس کے دنیا میں نیک صحبت اور ماحول میں رہنے سے نیک عمل کرنے کے سبب اللہ ان کے حق میں خوش ہ وکر اس جہنمی بندے کو جنت میں جانے کے فیصلہ سنا دیتا ہے۔جس کے سبب وہ جنت میں چلے جاتے ہیں۔اسی لئے بندہ کو نیک عمل ہی کرنے والی الٰہی ترغیب پر ہمیشہ عمل کرنا چاہئے۔

لیکن جاننا چاہئے کہ ہر معاملہ اور ہر مسئلہ صرف ترکیب اور دعاء سے حل نہیں ہوسکتا ہے۔کیوں کہ دعاء وترکیب بس کام ہونے کے لئے اصل کام بنانے والے سے لنک کر کے کام بن جانے کے لئے ابتدائی تواضع اختیار کرنے کی ایک صورت اور شروعاتی عمل کا نام ہے۔کوئی بھی کام اس لنک کے ساتھ قانونی سرکل میں ایک خاص عمل اور ورکنگ سے مکمل ہوتا ہے۔اس لئے صحیح نتیجہ پانے کے لئے نیک عمل حکم الٰہی کے موافق اور ساتھ ہی ساتھ اللہ کے قانون ''من جد وجد'' کہ جو کوشش کرے گا۔وہی کچھ حاصل کرے گا''پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔یعنی دعاء اللہ کے حکم ''اسم ربک الذی خلق'' کی عملی اظہار ہے۔جسے ہر حال میں صحیح عمل کرنے کے لئے قانون الٰہی کو یاد رکھ کر عمل کرنے کے لئے لازم ہے۔مگر صرف دعاء کر کے بیٹھ جانا نہیں ہے۔بلکہ ابتدائی تواضع اختیار کرنے کی ایک صورت اور شروعاتی عمل دعاء'' کے فورا بعد جس کام کے لئے دعاء اور اللہ سے ہدایت مانگی ہے۔اس عمل کو اس کے قانون وطریقے مستقل کرنے میں جد وجہد اور

محنت ومشقت کرنی ہے۔ جب یہ عمل بھی پوری ہو جائے گی تو نتیجہ نیک اور آرام دہ ملنا ضروری ہے۔ پس کھانے کا جس طرح ایک عمل ہے۔ اس عمل میں اول حکم "دعا" کریں گے۔ مگر صرف دعاء کر لینے سے کھانا پیٹ میں جا کر پیٹ کو نہیں بھرے گا۔ بلکہ اس کے لئے کھانے پکانے کے جملہ لوازمات اختیار کرکے اسے پکا کر سامنے لا کر ہاتھ سے اٹھا کر منہ میں ڈال کر اسے چبا کر حلق کی نالی سے پیٹ میں ڈالنے والے سارے عملوں کو کرنا ہوگا۔ جب یہ سارے اعمال پورے ہو جائیں گے تب کھانا پیٹ میں جائے گا۔ جب ان پورے عملوں سے کھانا پیٹ میں چلا جائے گا تو پیٹ کا بھرنا ہر حال میں لازم ہے۔ آپ نے کبھی نہیں سنا ہوگا کہ کھانے کے یہ سارے عملوں کے کر لینے اور اس کے پیٹ میں جانے کے آخری عمل حلق سے نیچے کر دینے کے بعد کسی کا پیٹ نہیں بھرا ہو۔

پس اللہ تعالی نیک عمل کے کرنے کی یہی تفصیل بتلائی ہے۔ جو بندہ بھی اس طرح ہر عمل میں دعاء یعنی اللہ کو ساتھ میں رکھ کر، ان کے حکم وہدایت کو فالو کر کے اس عمل میں سارے عملوں کرے گا تو اس کا وہ کام نہ ہو اور اس کا نتیجہ صحیح حاصل نہ ہو۔ یقیناً اس کا وہ کام مکمل ہو کر ہی رہے گا۔ مگر اخیر میں جانئے کہ قدرت کے سامنے کسی کی کچھ نہیں چلتی ہے۔ جیسے مالک کے سامنے نوکر کی نہیں چلتی ہے۔ چاہیں تو وہ مار دے۔ چاہیں تو معاف کر دیں۔ پس واضح یہی ہے کہ بندہ کو نماز کے ہر رکن سے محض اللہ کے سامنے یہی ان کے حکم کے موافق جھکنا اور بات مان کر اپنی سہولت کے لئے بس عاجزی وانکساری کرتے رہنا ہے اور نیک عمل یعنی ان کے حکم کے موافق سارے عمل کرنے ہیں کہ اے مالک! مجھے معلوم نہیں کہ تو مجھے جنتی یا جہنمی بنایا ہے۔ ہمیشہ یہی آپ سے دعاء کرتے ہیں کہ آپ مجھے جنتی فہرست میں رکھ! اگر جنتی فہرست میں ہوں تو تو جہنمی فہرست میں جانے والے اعمال وکرتوت سے بچائے رکھ اور آخری عمل جنتی والا کرنے کی توفیق دے دے۔ اسی طرح اگر پیدائشی طور پر مجھے تو جہنمی فہرست میں رکھا ہے تو بھی تو مجھے نیک صحبت میں رکھ کر آخری عمل جنتی عمل کرنے کی توفیق عطا فرما! اسی لئے بندہ کو یہ حکم ہے کہ وہ دعاء کرے کہ اے رب! تو مجھے حسن خاتمہ نصیب فرما! اور اس پر آمین بھی کہے۔! اب بات واضح ہوگئی ہے۔ انسان کلی طور پر اپنی تقدیر کا محتاج ہے۔ اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی! بس اس کا تعلق اس کے عمل اور اختیار سے ان دونوں میں سے خود کو جنت یا جہنم کے انتخاب کرنا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا ہے "اعمالکم عمالکم" کہ تمہارا "عمل" ہی تمہارا سردار ہے"۔ جیسا کرو گے۔ ویسا بھرو گے! تم تقدیر کے نیچے لٹک رہے ہو۔ تمہارا "عمل اور اختیار" تمہیں آرام والی جگہ جنت میں یا تکلیف والی جگہ دوزخ میں لے جائے گا۔

جب عمل پر جنت یا جہنم موقوف ہے تو جاننا چاہئے کہ دنیا کے ہر عمل کی طرح "نکاح" کا بھی ایک خاص اور بلکہ بہت اہم عمل ہے۔ میرے پاس جو شخص اپنے بیٹے کی شادی غیر شرعی طریقے سے کرنے سے پریشان ہو کر پریشانی نجات حاصل کرنے کے لئے آئے۔ اس کے سوال یعنی اس کے بیٹے کی "میری مرضی" کے خیال وعنوان پر ایک ہدایتی تحریر لکھی تا کہ اس آدمی کے علاوہ دیگر ایسے افراد بھی پریشان نہ ہوں۔

☆☆☆☆

میری مرضی

واضح رہے کہ آج کل ''میری مرضی'' ہی کا خیال عام ہے۔ چند آیات اور احادیث کے مضامین بھی ''میری مرضی'' کے عنوان کی تائید وتصدیق کرتی ہیں۔ ان کی وجہ سے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی ''میری مرضی'' اور میری خوشی'' کے عنوان کی تائید میں سختی کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں والدین، سر پرستوں، اولوالامر اور صاحب الرائے شخصیتوں سے چھوٹوں کا تعلق و بے معنی ہوکر نیک طرز معاشرت کا بالکل خاتمہ ہو چکا ہے۔ چھوٹے تو اس خیال میں محض اپنا فائدہ دیکھ کر دو خیالات کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ پہلا اور پختہ اور نہ بدلنے والا عقیدہ تو ''یہی میری مرضی'' ہی کا ہے۔ لیکن جب کسی خاص موقع سے کوئی خاص ضرورت پڑتی ہے تو پھر مفاد کے خیال سے ''تیری مرضی'' تھوڑے سے وقفے کے لئے آجاتی ہے۔ ورنہ اللہ کی صفت ''تکبر'' کی چوری کرتے ہوئے ''میری مرضی وخوشی'' کے خیال ہی کا بھوت پھر سوار ہو جاتا ہے۔

اس سلسلے میں دنیا کے ہر کام کو مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ مگر چونکہ میرے پاس ''میری مرضی'' کی شادی کا عنوان ہے۔ اس لئے میں شادی ہی کی مثال پیش کرتا ہوں۔ آج کل بچے بچیاں صالح اور نیک نظام المعاشرت کے خلاف ''شادی'' کے موضوع پر دلیل پیش کرتے ہیں کہ ''میری مرضی' اور میری خوشی کی شادی ہو نی چاہئے۔ والدین، سماج اور اولوالامر کی مرضی ہرگز نہیں!

مگر جیسے ہی تعلیمی اخراجات کی بات آتی ہے تو کہتے ہیں ''میرے باپ ماں، میرے ''گارجین'' ہیں۔ ان کی مرضی کے مطابق خواہ ''سود'' ہی لے کر کیوں نہ ہوں! بچوں کو انہیں پڑھانا چاہئے''۔ کہیں کسی مسئلہ اور معاملہ میں پھنس جاتے ہیں تو وہاں پر والدین اور سرپرستوں کی گرفت ہوتی ہے۔ ان سے پوچھ تاچھ ہوتی ہے۔ میڈیا اور دیگر لوگ بھی سرپرستوں اور کفیلوں کی کچھ نہ کچھ غلطیاں نکال کر جیل بھیج کر ''ولا تزر وازرۃ وزر اخری'' کہ ''کوئی کسی کا بوجھ کہیں نہ اٹھائے گا'' کے خلاف کرتے ہیں۔ یعنی شادی میں خرچ والدین پر فرض یہ'' تیری مرضی'' ہے۔ مگر شادی بیاہ'' وغیرہ میں ''میری مرضی ومیری خوشی اور میری پسند'' کے مطابق ہونی چاہئے۔ چلاتے ہیں۔

بہت افسوس کی بات یہ بھی ہے کہ آج کل کے بڑے بھی اتنے مجبور ولاچار ہو گئے ہیں کہ وہ بھی حدیث رسول

ﷺ پیش کر کے اطاعت اور بڑوں کے لنک ونگرانی سے بالکل الگ تھلگ ہو کر کہتے ہیں کہ بچے بچیوں کو ایک نظر نکاح سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا دیناضروری ہے۔یعنی بڑوں نے بھی ''قرآن مجید'' کی آیت'' لا تقربو الصلوۃ '' کے ایک جملہ''نماز کے قریب بھی مت جاؤ'' کو دیکھ،سن کر،جو مستحب کے فولڈر کی چیز تھی۔اسے فرض کے درجے میں خیال کر لی۔اسی طرح جو فرض کے درجے کی چیز تھی۔وہ مستحب کے درجے میں گردان لیا۔

یہ عقیدہ ایسا ہی ہو گیا کہ''انسان'' کا تلفظ انسان کے پورے بدن کے ہر ہر پارٹس کے ایک دوسرے میں مناسب جگہوں میں فٹ ہو کر اپنی اپنی ذمہ داری نبھانے کی صورت میں ہوتا ہے۔مگر اب لوگ انسان کے''ہاتھ'' کو بھی بدن سے جدا کر کے مستقل''انسان'' کہنے لگے ہیں۔''کان'' کو بھی'' انسان'' کے بدن سے نکال کر''انسان'' کہنے لگے ہیں۔''آنکھ'' کو بھی''انسان'' کے بدن سے نکال کر مستقل''انسان'' کہنے لگے ہیں۔علی ہذا القیاس''دماغ'' وغیرہ کو بھی ''انسان'' کے بدن سے نکال کر مستقل انسان کہنے لگے ہیں۔کیوں کہ''میری مرضی'' کا عقیدہ ہے۔

جبکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔انسانی پارٹس کے ہر پارٹس اپنی جگہ مستقل''انسان'' نہیں،بلکہ انسانی جسم کے الگ الگ حصے اور ایک ایک پارٹس ہیں۔یہ سبھی پارٹس اپنی اپنی جگہوں پر فٹ اور متحد ہو کر،مجموعی طور پر اپنا ایک یکساں نام ''انسان'' پاتے ہیں۔یہی حال دنیا کی تمام چیزوں کا ہے کہ ہر چیز اپنے خاص مقام میں ذاتی طور پر خود ایک''مخلوق''یعنی ''چیز اور پارٹ'' ہے۔مگر یہی پارٹ اپنے دوسرے پارٹس سے متحد ہو کر اور مل کر مجموعی طور پر اپنا اپنا الگ الگ ایک مجموعی نام پاتے ہیں۔موجودہ نئے زمانوں کی نئی چیزیں مثلاً''موبائل،کمپیوٹر،فیریج،واشنگ مشین'' وغیرہ وغیرہ،غرض تمام چیزوں کا یہی حال ہے۔

چیزوں کی اس حالت اور سوچویشن سے بالکل صاف ہے کہ''چیز'' اپنی انفرادیت اور تنہا ہونے کی صورت و سوچویشن میں ذاتی طور پر صرف کسی چیز کا''پارٹ'' اور ایک''چیز اور مخلوق'' ہے۔اس پارٹ کا مارکٹ میں ایک خاص نام ہوتا ہے۔جس سے وہ جانی جاتی ہے۔مگر یہی پارٹ والی چیز جس خاص چیز کا وہ پارٹ ہے۔وہ خاص نام پانے کے لئے اپنے دیگر پارٹس سے جڑنے اور متحد ہونے کے لئے ہر حال میں محتاج ہوتی ہے۔

جیسے کمپیوٹر کا''ہارڈ ڈسک'' اور اس کے دیگر پارٹس اپنے اپنے خاص خاص ناموں سے ایک خاص ناموں سے مارکٹ میں ملتے ہیں۔یہی پارٹس جب میکانیکل قانون سے متحد اور جڑ جاتے ہیں،تب ان تمام پارٹس کے مجموعی شکل و صورت پر''کمپیوٹر'' نام پاتے ہیں۔

اسی طرح''انسان'' اپنے جسم کے تمامی انفرادی پارٹس''آنکھ،ناک،کان،دماغ،ہاتھ،پاؤں،کڈنی،جگر،آنت وغیرہ وغیرہ سے مناسب جگہوں میں متحد ہو کر اور جڑ کر،مل جل کر''انسان'' نام پاتا ہے۔پس''آنکھ'' انسان نہیں،انسان کے جسم کا ایک پارٹ ہے۔''ناک'' انسان نہیں،انسان کے جسم کا ایک پارٹ ہے۔''کان'' انسان نہیں،انسان کے جسم کا ایک پارٹ ہے۔''دماغ'' انسان نہیں،انسان کے جسم کا ایک پارٹ ہے۔''ہاتھ'' انسان نہیں،انسان کے جسم کا ایک پارٹ ہے۔''پاؤں'' انسان نہیں،انسان کے جسم کا ایک پارٹ ہے۔''کڈنی'' انسان نہیں،انسان کے جسم کا ایک پارٹ

ہے۔''جگر''انسان نہیں،انسان کے جسم کا ایک پارٹ ہے۔''آنت''اور دیگر اعضاء(پارٹس)جسم انسانی کے حصے الگ الگ''انسان''نہیں، بلکہ انسان کے جسم کے الگ الگ،ایک ایک''پارٹس''ہیں۔

اگر یہ حقیقت سمجھ گئے ہیں تو اس حقیقت کو بھی سمجھنی چاہئے کہ''انسان'' کی مینوفیکچرنگ کی وجہ سو چویشن کے علاوہ اس کے اشرف المخلوقات کی نسبت وحیثیت سے اصل چیز''انسانیت''اور ایک دوسرے سے''محبت مؤدت'' ہے۔جس سے نیک اور خوشحال معاشرت کا وجود ہوتا ہے۔جس کے لئے اللہ تعالی نے اپنا آخری اور لیٹسٹ قانون''قرآن مجید'' کی شکل میں انسان کے سامنے پیش کی ہیں۔اسی کا نام''شریعت''اور''قانون''ہے، جو کہ اس دنیا اور اس کے اندر و باہر تمام چیزوں،خصوصوا دنیا کے اندر کی اشرف االخلوقات''حضرت انسان''کئے جسم کے ہر ہر پارٹس کے متعلق قوانین کی ایک مجموعی دستاویز اور کتاب ہے۔پس اسی قرآن کے اندر کھینچے ہوئے خاکے اور پلاننگ کے عین مطابق کل نظام عالم اور اس کے اندر کی تمام چیزوں کے موافق قوانین ان ان چیزوں میں انسٹال ہیں۔جن کے قائم رہنے کے سبب دنیا اور اس کے اندر کی تمام چیزیں''آن''یعنی اپنی اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے حرکت میں ہیں۔جس طرح کائنات اور اس کی تمام چیزوں میں ان کے منجانب اللہ مقرر کردہ قوانین انسٹال ہیں۔اسی طرح اس کائنات کے اندر کی سب سے بہترین مخلوق''حضرت انسان''میں اور ان کے جسم کے اندر کی تمام پارٹس میں ان ان پارٹس کے قوانین ان ان حصوں میں پوری طرح انسٹال ہیں۔جن کے سبب جسم انسانی کے یہ پارٹس آن یعنی حرکت میں ہیں۔ایسے انسان کی تخلیق کا مقصد''محبت و مؤدت اور پرسکون''رہنا نظر آئیں گے۔

یعنی ایسے سو چویشن میں جسم انسانی کے پارٹس کی حرکت اپنے اپنے قوانین کے سرکل میں ہے تو انسان کے بدن کے ہر پارٹس اور کل پارٹس کے ساتھ یہ انسان کا کلی طور پر صحت مند رہنا یقینی ہے۔اسی طرح اگر کسی انسان میں'' شریعت''اور''قانون''یعنی قرآن مجید کے قوانین کی انسٹالنگ میں خرابی ہے تو اس کے اندر''انسانیت''و محبت ومؤدت'' بھی نہیں ہوسکتی ہیں۔

اسی لئے اللہ تعالی نے نیک اور پرسکون معاشرت کے وجود کے لئے قوانین قرآن مجید میں دنیا کے اور اس کے سسٹم کے ہر پارٹس بشمول حضرت انسان اور اس کے جسم کے ہر پارٹس کے تعلق سے ضروری اور مناسب قوانین پیش کی ہیں۔جن میں ہر چیز کی کیفیت،حقیقت،وجہ تسمیہ،اس کے قائم رہنے کی شکلیں۔ختم ہو جانے کی شکلیں۔معتدل رہنے کی صورتیں،ان بیلنس ہونے کی حالتیں،ان بیلنس ہونے کے بعد اس کے ریپیری کرنے کی صورتیں،ریپیری کرنے والے انجینیئرس کے بارے میں معلوماتی مضامین، چیزوں کے جغرافیائی معلومات،ان کے نفع اور نقصان کی تفصیلات اور حدود،نفع کی حالت اور نقصانکی حالت وحدود،ہر چیز کے نفع ونقصان دونوں صفتوں سے فائدہ حاصل کرنے کے قاعدے وغیرہ وغیرہ کل قوانین موجود ہیں۔

یہ قوانین دو طرح کے ہیں۔ایک خاکہ والا یعنی اسٹرکچر و پلانگ والے قوانین۔جن سے چیم کے قائم رہنے اور اس کے نام پانے کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔اسی کو حدیث میں''تقدیر مبرم''کہا گیا ہے۔مثلاً''چائے''ایک چیز ہے۔اس

ایک چیز کے پارٹس " چائے پتی، شکر، پانی، اور آگ پر اعتدال اور ایک مناسب وقت میں پکانا ہے۔ غور کیجئے کہ چائے پتی، شکر، پانی اور آگ " میں سے کوئی ایک چیز بھی ایک دوسرے کے ساتھ اعتدال اور نارمل قانون کے ساتھ متحد نہ ہو، تو " چائے " کا نام " چائے " نہیں۔ دوسرا نام پڑ جائے گا۔ مثلاً: چائے پتی اور شکر ملا کر چائے نام دینا چاہیں تو کوئی اس کو چائے نہیں بلکہ چائے پتی میں شکر مل گیا ہے۔ کہے گا اور بلکہ اس حرکت کے کرنے والے کو ڈانٹ بھیلے گی کہ یہ فضول کام ہوا۔ اسی طرح ان دونوں میں پانی بھی ملا دی جائے اور چائے نام کہنا چاہیں تو اس کا نام چائے نہیں بلکہ " شیرہ " کہنا ہوگا۔ اسی طرح ان تینوں کو ملا کر اگر اسکو نارمل پوائنٹ پہ مناسب وقت تک آگ پہ نہ رکھ کر آگ پر رکھتے ہی اتار لی اجائے تو تو بھی اس کا نام چائے نہیں بلکہ چائے کے میٹریلس آپس میں ملے ہوئے پکا ہوا چائے نہیں ہے کہا جائے گا۔ اسی طرح آگ پر نارمل پوائنٹ سے زیادہ دیر تک پکا دیا جائے تو یا تو چائے کڑوی بن جائے گی یا پھر جل کر بے کار ہو جائے گی۔ مگر ان چاروں کو مناسب مقدار میں ایک دوسرے سے متحد کر کے مناسب وقت میں نارمل پوائنٹ پر آگ پر پکا کر آگ پر سے اتار لیں گے تو اب یہ " چائے " اصلی نام پا جائے گا اور اسے سبھی استعمال کریں گے۔ پس چائے بننے میں جو چار میٹریلس ہیں۔ یہی اس چائے کے ارکان ہیں۔ کھونٹا ہیں۔ انہی چاروں کو ارکان کے علاوہ چائے کے لئے اسٹرکچر اور ڈھانچہ پوائنٹس کہا جائے گا۔ ان چاروں میں " چائے " لفظ کو بولنے کے لئے کبھی بدل نہیں سکتے ہیں۔ اسی لئے کہیں گے کہ چائے کے لئے " چائے پتی، شکر، پانی، آگ " چاروں اپنے اپنے مناسب مقدار اور وزن میں " تقدیر مبرم " میں سے ہیں۔ ان میں تبدیلی نا ممکن ہے۔

اب اسی چائے کو مزیدار بنانے کے لئے تیز پتے، ادرک، دودھ، لیموں وغیرہ وغیرہ ڈالنا پڑتا ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ سبھی چیزیں ایک ہی بار ڈالی جائیں۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک مناسب وقتوں میں بنائی جانے والی چائے میں انفرادی طور پر ڈالی جاتی ہے۔ ان چیزوں کو چائے بنانے والا اپنے اختیار سے بدلتا رہتا ہے۔ پس یہ چیزیں " چائے " کے لئے " تقدیر معلق " میں سے ہیں۔ یہ اختیاری ہیں۔ آپ ان چیزوں کے استعمال میں جس طرح کا عمل کریں گے، جتنی مزیدار چیزیں جمع کریں گے۔ اسی کے بقدر چائے مزیدار ہوگی۔ یہ آپ کے عمل کے اوپر ہے۔

اگر یہ جان گئے تو یہ بھی جانئے چائے کے اسٹرکچر میں تو تبدیلی نہیں کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ یہ تقدیر مبرم میں سے ہیں۔ البتہ مگر تقدیر معلق والی صورتیں ادلنے بدلنے کے ساتھ ساتھ آپ تقدیر معلق کی ان چیزوں کو بھی جانتے ہیں اور اسی طرح آپ چونکہ چائے کے خالق ہیں تو چائے کی تقدیر مبرم وا سٹرکچر کو بھی جانتے ہیں۔ اسی طرح آپ کو یہ بھی علم ہے کہ یہ اسٹرکچر والی چیزیں کبھی نہیں بدلیں گی۔ اسی طرح آپ چائے کی تقدیر مبرم والے میٹریلس اور ان کے چائے میں ڈالنے پر خود مختار ہو کر کوئی ایک چیز یا کئی چیزوں کے ڈالنے پر بھی قادر ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ان چیزوں کے چائے میں ڈال دینے سے چائے مناسب وقت و پوائٹ میں آگ پر پک جانے کے بعد کیسی ہوگی۔

بس اسی طرح انسان بھی ہے۔ اللہ تعالی نے اس کو بنا کر جب اس دنیا میں بھیجا تو اس کے لئے ایک تقدیر مبرم ہے اور ایک تقدیر معلق ہے۔ تقدیر مبرم میں سے اس کی عمر، رزق، موت وحیات، قبر، انسان کی سائز، پیدائشی کلر، جنتی اور دوزخی یعنی

مزیدار کی طرح یا بدمزہ، تقدیرِ مبرم میں سے ہیں۔اس میں انسان کے ''عمل'' کا کچھ دخل نہیں۔یعنی کوئی تہجد گذار اور قاری قرآن بن کر اپنی متعینہ عمر سے بڑھ کر زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔وقت مقررہ پر اسے پیدا ہونا ہی ہے۔اسی طرح مقررہ وقت پر اسے مرنا ہی ہے۔مقررہ روزی سے زیادہ نہیں حاصل کر سکتا ہے۔

علاوہ ازیں جتنی انسان کی چاہت ہیں۔سب میں اس کے عمل کا دخل ہے۔''جیسا کروگے۔ ویسا بھروگے'' قانون کے موافق نتیجہ ملے گا۔عمل ردو بدل ہے تو نتیجہ بھی ردو بدل ہوگا۔اسی لئے رب کائنات نے انسان کو نیک کام کرنے کے لئے اختیار دے کر خوب ترغیب دی ہیں اور اس کے فائدے کے لئے قرآنی دستاویز پیش کر کے واضح کر دی ہیں کہ ہم رب ہیں۔ہم نہیں چاہتے ہیں کہ میرا پیدا کیا ہوا بندہ تکلیف میں رہے۔ہم تو آسانی چاہتے ہیں۔مگر دنیا کے سسٹم میں جنت کے بالمقابل جہنم کی پیدائش بھی اس کی تخلیقی تکنک اور پلاننگ کے لئے ضروری ہونے کے سبب بنائے ہیں۔اس میں تکلیف ہے۔اس تکلیفی صورت سے بھی فائدہ حاصل ہوسکتا ہے۔اس کے اصول و راستہ قرآن میں بتلا کر ہم نے واضح کر دی ہیں۔اب جنت یعنی آسانی کو اور جہنم یعنی پریشانی کو چننا تمہارا اختیار ہے۔کیوں کہ اس کے لئے میں نے تمہیں اختیار دی ہیں۔

لیکن واضح رہے عمل میں قانون شریعت کے فالو نہ کرنے کو ''کافر'' کہتے ہیں۔میری مرضی کے قانون پر عمل کرنے والا شیطان کہتے ہیں۔اس کا نتیجہ دوزخ ہوگا۔اس کے بر خلاف قانون شریعت کو فالو کر کے عمل کو اختیار کرنے کو ''اطاعت'' کا ''قانون'' کہتے ہیں۔اس کا نتیجہ جنت ہوگی۔اسی لئے ''اطاعت'' لفظ یعنی وَرڈ کے ڈکشنری معنی کی نسبت ولحاظ سے قرآنی قوانین والے راستہ اور چلن کا نام ''دین اسلام'' رکھ کر اللہ تعالی نے اعلان کر دیا ''أَنَّ الدِّ ینَ عِندَ اللّٰـهِ الْاَسْلَامِ ''!جس کا معنی ہے ''بیشک اللہ تعالی نے جس دین اور چلن کو پسند کیا ہے اور اس پر چلنے کے لئے ہدایت دی ہیں۔اس کا نام ''اسلام'' ہے۔جس کے ڈکشنری کے معنی ہی ''جھکنا، ماننا، اطاعت'' کرنی ہے۔

اطاعت والے سوچویشن میں انسانی پارٹس کے استعمال کا سوچویشن اور اس کا اظہار ''تکبر'' نام پاتا ہے۔تکبر انسان کی انسانیت کے خلاف ہے۔کیوں کہ یہ مخلوق یعنی اللہ تعالی کا پیدا کیا ہوا ہے۔اس کی صفت میں ''تکبر'' بے معنی ہے اور اس لئے بھی کہ ''تکبر'' خاص اللہ تعالی کی صفت ہے۔پس جو تکبر و غرور کرتا ہے۔منہ چڑھائے، گال پھلائے، اکڑ کر چلتا اور ہمیشہ غصے میں باتیں کرتا ہے۔رانگ جواب اور ترش و کھٹے پن سے منہ چڑھا کر، چہرے پر شکن کے ساتھ کچھ جواب دیتا ہے کہ سامنے والا اس کے غصہ پن اور ناراضگی کو محسوس کر کے ماحول کو محبت والا اور خوش حال نہیں پاتا ہے تو یقیناً اس انسان کے اندر انسانیت نہیں۔جس کے اندر انسانیت نہیں، اس کے اندر محبت و انسیت نہیں۔جس کے اندر انسانیت، انسیت و محبت اور مؤدت نہیں، وہی شخص اپنا عقیدہ ''میری مرضی'' کا اختیار کرتا ہے۔جس سے اصل دین حق ''اسلام'' سے ہٹ کر دوسرا راستہ بن جاتا ہے۔جس کا نام انسان کا تکبرانہ اور میری مرضی والا عقیدہ یعنی ''مذہب'' نام پاجاتا ہے۔

دنیا میں جتنے امام و پیغمبران گذرے ہیں۔ان تمام حضرات کا اصل عقیدہ ایک سماج کے کلی اتحادی صورت حال کے ساتھ نیک طرز معاشرت کے قیام کے لئے ''اطاعت و فرماں برداری والا ہی عقیدہ اور راستہ تھا۔جس کا نام ''دین اسلام'' ہی تھا۔یعنی اس کائنات میں اصل اور صحیح الٰہی راستہ یہی دین اسلام کا راستہ شروع سے ہے۔جس نے دین اسلام سے

ہٹ کر اپنا خیال و مذہب اختیار کی۔اس نے اللہ کی خاص صفت ''تکبر'' کو چوری کر کے اپنا غلط راستہ اختیار کیا جو کہ ''جرم'' اور قابل عذاب عقیدہ ہے۔

اس لئے بات یہی واضح اور صحیح ہے کہ دین اسلام کے ماننے والے اپنے بدن کے ہر پارٹس سے تواضع ،یعنی ماننے کی صفت یعنی ''اطاعت وفرماں برداری کو ظاہر کرے۔مان کر چلے۔یہی الٰہی قانون ''اطیعوو االله و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم '' دفعہ پیش کر کے'' پہلے ''اللہ'' کی دوسرے نمبر پر ''رسول اللہ ﷺ'' کی اور تیسرے درجے میں ''اولی الامر منکم'' کے کل تین درجات اللہ تعالیٰ نے خود مقرر کی ہیں۔

پس اطاعت کے اس قانون کی روشنی میں ہر کام کے کرنے میں انسان پہلے اللہ کی مانے۔پھر ان کے بھیجے ہوئے صحیح راہ بتانے والے نبی اور رسول اور پیغمبر ﷺ کی مانے۔پھر ان دونوں کے صحیح فالو کرنے والے'' اولو الامر'' یعنی والدین، بڑے بزرگ اور شرعی صاحب الرائے شخصیت کی مانے۔ان تینوں گروپس میں ''اولوالامر'' میں شریعت یعنی قرآن مجید اور حضور ﷺ کی احادیث کے ماہرین کی رائے مراد ہے۔

پس اولوالامر عمر میں بڑا بھی ہوسکتا ہے اور عمر میں شریعت کے ماہرین کوئی چھوٹا بھی ہوسکتا ہے۔جیسے پیغمبران اپنے اجداد کے مقابلے میں چھوٹے تھے۔مگر وہ اپنے بزرگ وعمر دراز اجداد و باپ، ماں وغیرہ کے لئے بھی اولوالامر تھے۔یہی حال تمام تعلیم یافتہ چھوٹوں ،اور جاہل والدین کی تعلیم یافتہ اولادوں کا ہے۔پس اللہ،رسول اور شریعت کے ماہر ''اولوالامر'' ان تینوں گروپس کی نگرانی سے ہٹ کر شیطانیت کرتے ہوئے من موجی اور صرف اور صرف ''میری مرضی'' کا گانا، گا کر نہ کوئی چھوٹا نہ کوئی بڑا جاہلانہ روش اختیار کر کے تکبر نہ کرے۔

''اطاعت وفرماں برداری'' کے حکم میں بھی کوئی انسان اپنے سے نیچے والے اور کمزوروں پر ''اطاعت'' کا حکم نہ کرے۔بلکہ اطاعت کے فولڈر عام ہے۔یعنی چھوٹا ہو یا بڑا۔یکساں کوڈ'' قرآن مجید'' کے قوانین کے اندر برابر درجے میں محکوم یعنی عمل کے لئے طلب کئے گئے ہیں۔

پس اطاعت میں کوئی صرف اللہ کی اطاعت تو کرے۔مگر رسول ﷺ سے دشمنی رکھے اور ان کو نہ مانیں تو یہ اللہ ہی کے حکم ''ان کنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله'' دفعہ کے خلاف ہے،جس میں خود خدا نے تاکید کی ہیں کہ مجھ سے محبت کرنے سے پہلے میرے نبی ﷺ سے محبت کر کے دکھاؤ۔اس لئے سب سے کٹ کر صرف اللہ کی اطاعت صحیح نہیں۔بلکہ یہ اللہ سے بغاوت اور تکبر ہے۔اسی طرح اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ کوئی رسول ﷺ کی اطاعت تو کرے،مگر اولی الامر منکم سے بغاوت کرے تو بھی یہ اللہ کے حکم سے بغاوت اور نافرمانی ہے۔اسی طرح کوئی صرف ''اولی الامر منکم'' کی اطاعت کرے اور اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت نہ کرے تو یہ بھی اللہ کے حکم سے بغاوت ہے۔اسی طرح کوئی بڑا عمر میں بڑا تو ہو۔مگر دین اسلام اور قرآنی قوانین سے واقف نہ ہوں۔جاہل ہوں۔

جیسے بہت بلکہ اکثر والدین اپنے عالم،مفتی و باصلاحیت اولادوں کے مقابلے میں بالکل جاہل ہوتے ہیں۔حالانکہ والدین ہی نے انہیں تعلیم یافتہ بنایا ہے۔مگر پھر بھی ان کے علم دین کی برکت اور جانکاری کے سبب جاہل

والدین کواب اپنے تمام کام میں دینی مشورہ کی خاطر اپنے تعلیم یافتہ فرزند سے مشورہ کرنا اوران کی شرعی رائے کے مطابق کام کرنا فرض ہوگا۔اس جگہ کوئی ماں،کوئی باپ کہے کہ میں کیوں بیٹے کی بات مانوں!یہ تو میرا بیٹا اور مجھ سے چھوٹا ہے تو یہ غلط اور شیطانی وسوسہ ہے۔حضرت محمدﷺ کے چچا اور بڑے جو ایمان نہیں لائے۔ اسی خیال سے ایمان نہیں لائے۔حالانکہ وہ آپﷺ کو پکا سچا نبی جاتے تھے۔

پس''اطیعوو االلہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم''دفعہ میں صحیح معنی بلاتفریق چھوٹے اور بڑے کے''اطاعت''کا پہلے ترتیب سے''پہلے''اللہ''کی،دوسرے نمبر پر''رسول اللہﷺ''کی اور تیسرے نمبر پہ''اولی الامر منکم''کے تینوں درجات پر عمل کرنا واجب ہے۔کیوں کہ''حکم''سے''عمل''واجب ہوتا ہے۔یہ عمل جس ترتیب سے اللہ تعالی نے کرنے کے لئے کہا ہے۔اسی ترتیب سے واجب ہے۔اس ترتیب میں کسی ایک کو لینا اور دوسرے کو چھوڑ دینا ''شریعت''نہیں!شرارت ہے۔اس سے نیک معاشرت کا وجود نہیں ہوسکتا ہے۔البتہ!مذہب کا وجود ہوسکتا ہے۔

پس جس طرح اللہ،رسولﷺ کی اطاعت کی جاتی ہے،اسی درجہ میں''اولی الامر منکم''کے حکم پر بھی عمل کرنا واجب ہے۔''اولی الامر منکم''کے اندر''قرآن مجید اور شریعت مطہرہ کے عین مطابق مشورہ اور رائے دینے والے متقی پرہیز گار''والدین،اساتذہ،سماج کے بڑے بزرگان''ہیں۔ان تمامی لوگوں کی صحیح اور شرعی رائے ،یعنی اللہ ،رسولﷺ اوران کے عین حکم کے مطابق صحیح مشورہ کے مطابق اپنا ہر کام کرنے کا نام''شریعت''اور''انسانیت''ہے۔

اس حقیقت کی روشنی میں جو بچے بچیاں کہتے ہیں کہ نکاح میں لڑکے اورلڑکی کا ایک دوسرے کو دیکھا دینا مناسب ہے۔اس کا مناسب معنی یہ نہیں ہے کہ''اللہ،رسول اوراولی الامر منکم''کے اندر کے بزرگان کی شرعی رائے کی کئی ضرورت نہیں ہے۔بلکہ''اللہ''رسولﷺ''اور''اولی الامر''یعنی والدین،اساتذہ،بڑے صاحب الرائے شخصیتوں کی رائے مشورہ کے مطابق''نکاح،اور ہر انسانی چلن کا نام''شریعت''و''انسانیت''ہے۔ان حضرات کی صحیح رائے سے ہٹ کر نیک معاشرت نہیں بن سکتی ہے۔

یہ ایسا ہی ہے کہ ایک اسٹوڈینس اسکول میں ایڈمیشن لے اور جب پڑھنے جائے تو اپنی مرضی چلائے۔اسکول کے قوانین اور''لاء''کا فالو نہ کرے۔ٹیچر اور پرنسپل جو حکم دے،وہ کہے کہ''میری مرضی''جب خوشی ہوگی۔آؤں گا،جب مرضی ہوگی نہیں آؤں گا۔مرضی ہوگی تو ایگزام دوں گا،مرضی نہیں ہوگی تو ایگزمام نہیں دوں گا۔ٹائم ٹیبل کا مرضی ہوگی تو فالو کروں گا،مرضی نہیں ہوگی تو نہیں کروں گا''تو وغیرہ وغیرہ تو کیا اس اسکول کا نظام برقرار رہ سکے گا۔اس ایک بچے کی ہٹلری اور من موجی اور ذاتی وانفرادیت والی خوشی کے عمل وزبان اور رویے سے اسکول کا صحیح تعلیمی وتربیتی نظام واصول بن سکے گا۔کیا ٹیچر دوسرے بچے اور بچیوں کو اخلاقی سرکل میں رکھ کر صحیح تعلیم وتربیت دینے کے لئے قانونی کارروائی نہیں کرے گا۔

اگر یہ بدتمیز اسٹوڈینس کسی تنبیہ وقانون سے قانون کے ماتحت اسکول میں نہ رہے تو اسکول کا ذمہ دار اسے اسکول سے نکال دیگا یا نہیں!اہل علم اور علم سے تعلق رکھنے والے لوگ سو فیصد یہی کہیں گے کہ اس اسٹوڈینس کی صحیح تربیت کی

جائے گی۔قانون کے اندر رہ کر اسکول میں تعلیم وتربیت پانے کے لئے تنبیہ کی جائے گی۔سمجھایا جائے گا۔اگر کسی سمجھوتہ کو نہ مانے تو پھر ہر حال میں اسے اسکول سے نکال دینا ہی بہتر ہے۔

جو لوگ ''میری مرضی'' کے عنوان سے انسانی عمل خصوصا چھوٹوں کے کاموں میں خصوصا ان کے نکاحی عمل وغیرہ میں ماں، باپ، بڑے بزرگوں کی صحیح وشرعی رائے سے ہٹ کر'' دولہا اور دلہن'' کو صرف اور صرف بچے اور بچیوں کے آپس میں دیکھ لینے اور ان دونوں کی ظاہری چمڑے کی خوبصورتی یا کسی خاص لینگویج ونوکری چاکری کی طرف نظر کرنے کو'' مناسب ہے''! کہ کر بچے اور بچیوں کے سپورٹ کرتے ہیں۔وہ بظاہر بچے اور بچیوں کے ان کے نظریے کے حساب سے ابتدائی دور کی صرف بچے اور بچیوں کی وقتی خوشی کی بات تو کرتے ہیں۔مگر ان کے نکاحی عمل کے بعد کی زندگی کے لئے در اصل وہ محبت میں عداوت ودشمنی کرتے ہوئے ایک تشکیل شدہ فیملی کو برباد کرنے کے لئے'' زہر'' پلا رہے ہوتے ہیں۔

اس طرح سپورٹ کرنے سے لڑکے اور لڑکیوں کو مکمل آزاد ہو کر اپنی محدود اور کم میموری اور نئی دنیا کے انگریزیت طرز معاشرت کے تحت، اپنے جوڑے کا انتخاب کرنے میں مدد کر رہے ہیں۔یعنی ان کا اس طرح چھوٹوں کو'' میری مرضی'' کے عقیدہ میں سپورٹ کرنے اور ان کے لئے تا عمر، برے اور غیر شرعی معاشرت وماحول میں جینے کے لئے برے ماحول کو پیدا کرنے میں مدد دے رہے ہیں۔

کچھ لوگ دشمنی میں تو نہیں لیکن فی البدیہہ یعنی اچانک پہلی فرصت میں دولہا اور دلہن کو دیکھتے ہی جو قدرتی طور پر ظاہری جوڑ نہیں دیکھتے ہیں تو ان کے منہ سے حقیقت کا اظہار ہو جاتا ہے۔حالانکہ عقلمند لوگ ایک جوڑے کے نکاحی بندھن میں بندھ جانے کے بعد دلہا اور دلہن کی ان کے منہ پر تعریف کر کے اور ماشاءاللہ، سبحان اللہ وغیرہ کر زندگی صحیح طور پر گذرنے اور گذارنے کے لئے تسلی بخش اور دعائیہ کلمات ہی کہتے ہیں اور دونوں جوڑوں کے اندر محبت ومؤدت کی باتیں ہی کرتے ہیں۔مگر کچھ زبان کے ہلکے اور فیوچر سے ناواقف بھولے بھالے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے منہ سے حقیقت کا اظہار اچانک ہو جاتا ہے۔ایسے لوگوں کی باتوں کو سن کر دولہا اور دلہن کا دماغ صحیح ہونا چاہیئے۔کیوں کہ اب پوری زندگی کے اپنے ہمسفر کے ساتھ بناؤ رکھ کر ہی انہیں زندگی گذارنی ہے۔جو ہوا وہ قدرت کے گیم اور کھیل سے، جس طرح قدرتی پلاننگ واسٹرکچر یعنی تقدیر مبرم میں لکھا تھا وہ ہوا۔

جیسے کسی کو اپنے باپ یا بیٹے یا کسی خاص رشتے دار کے جنازے میں جانا ہو تو وہ صرف جانے کی صورت کو دیکھتا اور ڈھونڈتا ہے۔وہ سفر میں آرام پر کوئی خیال نہیں کرتا! اسی طرح ''نکاح'' ہو چکنے کے بعد اب اسے اپنی اگلی زندگی کی سہولت کے ساتھ گذرنے کی طرف خیال اور نظر ہونی چاہیئے۔نہ کہ اپنی مرضی اور خوشی کے نہ ملنے کو پوری کرنے کے خیال میں فساد کرنا چاہیئے۔کیوں اب جو ہو چکا۔نکاح کے بعد اور ایک رات ہی صحیح خلوت یعنی تنہائی میں میاں بیوی وقت گذار کر ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہو جانے اور اپنی اپنی شرمگاہوں اور اپنی اپنی عزت وناموس کو ایک دوسرے کے حوالے کر کے یہ عہد ووعدہ کر لیا ہے کہ اب ہم کسی بھی طرح ہو۔ارجسٹ کر کے، ایک دوسرے کے مزاج سے ہم آہنگ اور مل ملا کر چلیں گے۔پس وہ جوڑا یا دونوں میں سے کوئی شخص لڑکا ہو یا لڑکی، اگر اپنی اپنی مرضی اور خوشی کو مثلا

خوبصورتی کو، مال کو، حسن و جمال کو، نوکری کو، لینگویج کو، کسی خاص جگہ کی ہمیشہ کے لئے رہنے کو نہیں پائے تو ان کیلئے جنگ کرنی، جھگڑے کرنا، فساد کرنا، میاں بیوی میں تناہ کرنا، بداخلاقی، بدتمیزی کا مظاہرہ کرنا، اپنے ساتھ خاندان، والدین اور اولوالامر کی عزت وبھرم کی رعایت نہ کرنی، کسی بڑے کی عقل وشریعت کی باتوں کو سن کر کچھ عزت نہ دینا اور ماحول کو کشیدہ اور خراب کر لینا، شکوہ وشکایت کی صورتیں لگا لینی یہ سب بداخلاق، بدتمیز اور شیطان عقل کے لڑکے اور لڑکیوں کا کام ہے۔ زبان کے چند ہلکے اور فیوچر سے ناواقف بھولے بھالے لوگوں، خواہ دور کے ہوں یا اجنبی یا کہ کوئی رشتے دار ہی، ایسے لوگوں کے منہ سے جو حقیقت کا اظہار اچانک ہو جاتا ہے۔ وہ خود دولہا اور دلہن اور طرفین کے ذہنوں میں بھی ہوتا ہے۔ مگر نکاح ہو جانے کے بعد اخلاقی زندگی گذارنا اب مجبوری ہوتی ہے۔

چونکہ مجبوری میں ''سور'' جیسی حرام چیز کو بھی وقتی طور پر کھانے کو جائز کہا ہے تو نکاح ہو جانے کے بعد من پسند جوڑا نہ ملنا بھی زندگی کے طویل وقت کے لئے اللہ کی طرف سے ایک لمبے وقت کی آزمائش کے لئے اللہ کی طرف سے امتحان ہوتا ہے۔ اس لئے دوست ہو کہ دشمن، حاسد ہو کہ محبت کرنے والے، جس کسی کی بھی زبان سے کسی جوڑے میں من پسند چیز نہ ملے اور اسی کو دوسروں نے بیان کر دیا تو اس سے دل شکنی نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ قسمت کا کھیل اور آزمائش کی گھری سمجھنی چاہئے۔

ایسے لڑکے لڑکیوں اور دولہا ودلہن کے گارجین اور سرپرستوں کو بھی چاہئے کہ دونوں جوڑے کو سمجھائیں۔ ان میں سے کوئی ایک بداخلاقی کرے۔ نہ قرآن کی سنے۔ حدیث کو ویلو دے۔ نا ہی مولانا ومفتیوں کی نصیحتوں کو سن کر سمجھ کر اپنی قسمت پر ایمان لا کر زندگی گذارنے کے لئے نہ مانیں تو ضروری ومناسب طور پر دونوں میں سے بداخلاق رویے اور سلوک کرنے والے فرد پر تنبیہ کرنا نہایت ضروری ہے۔

ویسے عیب بیان کرنے والے اور دو جوڑوں کی زندگی خراب ہونے والے جملے بکنے والے لوگوں سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ جو لوگ سامنے والے کو دیکھ کر اس میں وہ عیب جو قدرت کی تخلیق وبناوٹ ہے، مثلاً ناٹا، چھوٹا، کالا، وغیرہ ایسے عیب ہیں، جنہیں انسان نہیں اللہ کی عطاء اور کاریگری ہے۔ ان چیزوں اور صفتوں کو جو لوگ اچانک بیان کر دیتے ہیں، وہ لوگ پہلے خود اپنے ذہن کی ''اطیعو الله و اطیعوالرسول و اولی الامر منکم'' کے قانون خداوندی کے تحت تربیت لینی چاہئے۔

اسی طرح ان لوگوں کو جاننا چاہئے کہ شادی شدہ جوڑے بننے والے دولہا دلہن کو آپس میں ایک نظر دیکھ، دیکھا لینے کا مسئلہ ''اللہ'' رسول اللہ ﷺ'' اور ''اولی الامر'' یعنی والدین، اساتذہ، بڑے صاحب الرائے شخصیتوں کی رائے مشورہ کے مطابق اور ان کی تجرباتی زندگی کی نگرانی میں ''دیکھ، دیکھا لینے'' والا ماحول اختیار کرنا چاہئے۔ دولہا اور دلہن کا آپس میں دیکھ دیکھا لینا یقیناً غلط نہیں! سو فیصد درست ہے۔ اس کے لئے حضور ﷺ نے بھی کئی احادیث پیش کی ہیں۔

مگر ان احادیث میں دیکھ دیکھا لینے اور لڑکے اور لڑکیوں کی مرضی وخوشی کی درستگی اطاعت کے قانون کے ''اللہ'' رسول اور اولوالامر'' تینوں محکموں کی نگرانی سے ہٹ کر نہیں، ان کی نگرانی میں پیش کی ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ''نماز''

کے بارے میں ''لا تقربو الصلوۃ'' کہ ''نماز کے قریب بھی مت جاؤ'' والے حکمی جملہ کو، اس کے بعد والے جملہ ''و انتم سکاری'' ''یعنی نشہ کے سوچویشن'' میں نماز نہ پڑھنے'' کے وجہ کے ساتھ صحیح معنی لگانے سے ہوگی۔

اگر کوئی ''میری مرضی'' کے نشے والا شخص صرف ''لا تقربو الصلوۃ'' کے معنی ''نماز'' کے قریب بھی مت جاؤ'' والے حکمی جملہ کو پکڑ کر ''نماز نہ پڑھنے کے لئے پرچار کرنے لگے اور اس جملہ کے ساتھ ''و انتم سکاری'' ''یعنی نشہ کے سوچویشن'' والے جملے کو ملا کر اس کا صحیح معنی نہ بنائے تو ''دین اسلام'' کا پہلا حکم الٰہی ''نماز'' پڑھنے'' سے سبھی لوگ انکار کر دیں گے۔

اس سے واضح یہی ہوا کہ کسی لفظ یا جملہ کا معنی سیاق وسباق یعنی آگے پیچھے اور بیچ کے مضامین (آرٹیکلس) اور سوچویشن وحال کے موافق کر کے بنایا اور سمجھا جائے گا۔ پس شریعت مطہرہ میں جو رسول اللہ ﷺ نے شادی شدہ جوڑے کو ''من پسندی'' اور ایک دوسرے کو دیکھ دیکھا لینے کی جو بات کہی ہے، اس میں ''اطیعو اللہ، اطیعو الرسول اور اولوالامر منکم'' کے دفعہ ربانی کے معنی سے مکمل آزاد ہو کر اور ہٹ کر لڑکے اور لڑکیوں کو صرف اپنی محدود عقل ومیموری سے موڈرن زمانہ کے سوچویشن سے اپنی مرضی کے مطالبہ اور خوشی کو حاصل کرنے کے لئے نہیں کہی ہے۔

بلکہ جن احادیث میں لڑکے اور لڑکیوں کی آزادی اور من پسندی اور اختیار دیا گیا ہے۔ ان پر عمل کرنے میں انسانی زندگی کے کسی ہر گوشے کے عمل میں ہر حال میں ''اللہ، رسول ﷺ اور اولوالامر'' والے تینوں حکموں کی ''اطاعت'' کے معنی کے لحاظ کرنے کے بعد دی ہیں۔ جس طرح کہ سورہ اقراء میں ''اقرا'' یعنی پڑھنے اور ریسرچ کرنے کو ''باسم ربك الذی خلق'' کے جملہ کے مطابق ریسرچ کرنے والے شخص کے، پیدا کرنے والے کے قانون وہدایات کی روشنی میں ریسرچ کیا جائے گا۔ تاکہ من موجی اور اطاعت الٰہی، اطاعت رسول اور اولوالامر یعنی خیر خواہ، جانکار، معلم ومربی، والدین، اور صاحب الرائے شخصیتوں کی نگرانی میں ہر حال میں اور ہر ماحول میں دفعہ ربانی کو سمجھا جائے گا۔

اس حقیقت کی روشنی میں ہر کام میں بالخصوص زندگی اور نئے خاندان کی تشکیلی موقع یعنی نکاح کے موقع سے بھی ''اللہ، رسول ﷺ اور اولوالامر'' کی رائے مشورے سے ''دیکھ دیکھانے'' کا عمل کرنا بوجہ ''امر الٰہی'' کے تقاضے کے فرض ہے۔ کیوں کہ اسی معنی کے موافق عمل کرنے سے شادی، بیاہ کے اصلی مقصد ''اتحاد'' کے ساتھ صحیح طرز معاشرت کی بنیاد پڑتی ہے۔

اسکے برخلاف لڑکے اور لڑکیوں کا ''اللہ، رسول ﷺ، اور اولوامر'' یعنی والدین، خاندان، صاحب الرائے اور قرآنی روشنی میں صحیح رائے، مشورہ دینے والے بزرگوں سے ہٹ کر مکمل انگریزیت ماحول کے تحت، بچوں کی کم عمری کی کچی ذہنیت، بچگانہ میموری اور تن تنہا، بچگانہ فرینڈوں، دوستوں کے خیالات کے مطابق آزادانہ طور پر ''دیکھ دیکھا لینے'' کے عمل کو کرنا اور اس کے لئے سپورٹ کرنا، انہی کے مطابق شادی کرنا یا والدین اور سرپرستوں کا بچے اور بچیوں کا شادی کرادینا، اولادوں کے فیوچر اور مستقبل پر نظر نہ رکھنا ہے۔

اس طرح آزاد عمل کے لئے اولادوں کو پوری زندگی کے ایک بار کے سودے کے لئے ان کی ناتجربہ کار عقل پہ

ججمنٹ کرنے کو چھوڑ دینا، اولادوں کے ساتھ محبت نہیں! دشمنی ہے۔ اس طرح سے بہت سی اولادوں کی زندگی جہنم بن چکی ہے۔ اس لئے اولادوں کی ''پسند'' اور ''مرضی'' کا لنک'' اللہ کی طرف سے نیک اور اتحاد والی معاشرت کے ''اطیعو اللہ ،اطیعو الرسول، اوراولی الامر منکم'' والے قانون الٰہی سے ہر حال میں ہے۔ صرف دنیوی مفاد وخواہش اور بچے کی ہر مرضی کو مانتے ہوئے لڑکے اور لڑکی کے پسند کے موافق ایسے اجنبی سے رشتہ کر دینا جن کے خون وخاندان کی صحیح سے تحقیق نہیں، حرامی اور حلالی ہونے کی تصدیق نہیں، اخلاق منداور باادب ہونے کی تصدیق نہیں، اور صرف چمڑے اور گورے پن کو دیکھ کر، لنگوتیج اور نوکری یا کسی مخصوص جگہ کی شرط لگا کر رشتہ جوڑ لینا اور شروع کے کچھ دنوں خوشی سے مستی کر لینا، اس کے بعد کی زندگی کو جہنم بنالینا ہرگز نیک اور صحیح دماغ والے لوگوں کا عمل صحیح نہیں ہے۔

رشتہ کو دیکھ لینے کا معنی : رہا! لڑکے اور لڑکیوں کو ان کی مرضی کے خلاف شادی اور نکاح کر دینے کی ممانعت اور لڑکے لڑکیوں کا آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ دیکھا لینے والی احادیث کا مطلب ومعنی! تو واضح رہے کہ ''نکاحی'' جوڑے کا آپس میں دیکھ دیکھا لینا'' بالکل طبیعت وفطرت کے مطابق ہے۔ غلط نہیں۔ مگر ''طبیعت'' کو بھی اور اس کے موافق رسول اللہ ﷺ کی ''زبردستی'' نکاح نہ کرنے والے احادیث کا صحیح معنی بھی ''اطیعو اللہ ،اطیعو الرسول، اوراولی الامر منکم'' والے قانون الٰہی کو ہی سامنے میں رکھ کر کیا جائے گا۔ تاکہ طبیعت کا رُخ شیطانی وسوسوں سے اور صرف دنیاوی مستی وخوشی سے متاثر ہو کر نہیں، بلکہ ''اللہ'' کے ''اطاعت'' والے قانون کے تینوں فولڈرس یعنی ''اللہ، ان کے رسول ﷺ اور اولوالامر حضرات، یعنی والدین، اساتذہ یعنی ٹیچرس، اور شریعت کے جانکار تمام شرعی رائے ومشورہ دینے والے کے شرعی واخلاقی مزاج کے بھی خلاف نہ ہونے والا ''سوچویشن'' پر عمل کیا جانا ''شریعت'' کے مطابق عمل کرنا کہا جائے گا۔

زبردستی شادی نہ کرنے کی

احادیث کا صحیح معنی: رسول اللہ ﷺ نے جن احادیث میں بچے اور بچیوں کی ''زبردستی'' شادی کرنے سے منع فرمانے کا یہی صحیح معنی ہے۔ ''اولاد'' کی زبردستی شادی نہ کرنے کے تعلق سے کئی احادیث ہیں۔ جیسے بخاری شریف میں ایک حدیث ہے ''لَا تنكِحُوا الايم حتى تَستأمروا لَا تنكح لبكر حتى تستأ ذن'' کہ ''ثیبہ'' (شادی شدہ بیوہ) اور کنواری لڑکی کی اجازت کے بغیر عورت کا نکاح جائز نہیں ہے۔ ابن ماجہ شریف میں حضرت بریدہؓ سے منقول روایت میں حضور ﷺ نے فرمان منقول ''فجعل الامر اليها'' ہے، جس کا معنی یہی ہے کہ ''نکاح کی بقاء اس لڑکی پر ہے''۔

''حقوق نسواں'' کتاب ص:۷۹ پر مسلم ونسائی کی ایک حدیث نقل کی ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ سے آکر کسی عورت سے خواستگاری کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''پہلے دیکھ لے۔ کیوں کہ انصار مدینہ کی آنکھوں میں کچھ عارضہ ہوتا ہے''۔ اسی طرح نسائی اور ترمذی کی ایک حدیث اسی کتاب کے اسی صفحہ پر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے منقول ہے کہ ''کسی عورت سے مغیرہ بن شعبہؓ نے خواستگاری کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو دیکھ بھی لیا ہے۔ اس نے کہا: نہیں! حضور ﷺ

نے فرمایا کہ ''پہلے دیکھ لے تا کہ تم میں الفت زیادہ ہو''۔

اسی طرح ''نیل الاوطار'' کتاب کے حوالے سے حضرت جابرؓ کی ایک حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی عورت سے خواستگاری کرو تو حتی الامکان جس وصف کے طالب ہو۔اس کو دیکھ لو۔چنانچہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ (اس حدیث کے بعد) میں نے جب ایک عورت سے خواستگاری (شادی کے لئے چاہت) کی تو اس کو دیکھا کرتا تھا۔یہاں تک کہ میں نے اس میں وہ وصف پالیا جو مجھے مطلوب تھا۔

اس طرح کی اور احادیث ہیں۔جن سے مطلب یہی نکلتا ہے کہ عورت اور مرد دونوں کو ایک نظر دیکھنا جائز ہے اور شادی بیاہ سے پہلے دیکھ لینا مستحب ہے۔دیکھنے کی صورت،علم سے ہو یا بغیر علم یعنی پوشیدہ طور پر،دونوں صحیح ہیں۔

اسی طرح ''حقوق نسواں'' کتاب رص:۱۱۸ر پر ''نیل الاوطار'' معتبر کتاب سے حضرت ابن عمرؓ سے ایک اور حدیث مؤلف کتاب نے نقل کی ہیں کہ ابن عمر کہتے ہیں کہ عثمان بن مظعون مر گیا،اور اس نے ایک بیٹی چھوڑی اور اس کے نکاح کی بابت اپنے بھائی ''قدامہ'' کو اختیار دیا۔عثمان اور قدامہ دونوں ابن عمر کے ماموں تھے۔ابن عمرؓ نے (اپنے ماموں) قدامہ سے اس کی بھتیجی کے لئے خواستگاری کی (رشتہ پوچھا)۔چنانچہ اس (قدامہ ماموں) نے اس لڑکی (ابن عمرؓ کی بھتیجی) کا نکاح ابن عمرؓ (کی ممیری بہن) سے کر دیا۔اس کے بعد مغیرہ ابن شعبہ لڑکی کے پاس گیا،اور مال کا لالچ دیا۔چنانچہ ماں کی رائے بدل گئی اور ماں کے ساتھ لڑکی کی بھی! آخر دونوں نکاح سے منکر ہو گئے۔معاملہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا۔قدامہ (ابن عمر کے ماموں) نے کہا کہ ''یہ لڑکی میری بھتیجی ہے''!اس کے باپ نے وصیت کی تھی کہ ''میں اس کا نکاح کر دوں''۔سو میں نے اس کا نکاح اس کے پھوپھی زاد بہن (ابن عمر) سے کر دیا۔میں نے اس کی بہتری میں کوئی کوتاہی نہیں کی،اور لڑکا اس کا ہم کفو بھی ہے۔لیکن آخر یہ عورت ہے اور ماں کی طرفدار ہے۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دیکھو! یہ یتیم ہے۔اس کا نکاح اسی کی خوشی پر ہونا چاہئے''۔ابن عمر کہتے ہیں کہ ''وہ مجھ سے (آخر کار) چھین لی گئی''۔حالانکہ خدا کی قسم وہ پورے طور سے میری ملکیت میں آ چکی تھی۔پھر اس کا نکاح مغیرہ ابن شعبہؓ سے (لڑکی کی خوشی کے موافق) کر دیا گیا۔

اس حدیث میں ''لڑکی'' کے مطابق جو خوشی اور مرضی سے نکاح کر دینے کے سبب جو نکاح کے موقع سے ''لڑکی کی خوشی اور رضامندی'' حقیقت ہے۔مگر اس رضامندی کا لنک ''اطیعو اللہ،اطیعو الرسول،اور اولی الامر منکم'' والے قانون الٰہی'' کے مطابق ہے۔ہٹ کر نہیں ہے۔یعنی اس لڑکی نے جو ماں کے مال کے لالچ کے سبب ''قدامہ'' سے نکاح کے بجائے مغیرہ بن شعبہؓ سے نکاح کرنے کے لئے رائے بدل دی۔

اس میں اللہ کے اطاعت والے الحکم ''اولوالامر'' میں سے اس کی ماں کی رضامندی شامل تھی۔جبکہ لڑکی جانتی تھی کہ ماں مال کے لئے لگے ہوئے رشتے کو توڑ کر دوسرے سے رشتہ کر رہی ہے۔یعنی اس لڑکی نے ماں کو اپنے نکاح کے معاملے میں اپنے سرپرست ''ماں'' کی رائے کے مطابق عمل کیا۔انکار نہیں کیا۔یعنی لڑکی تن تنہا ہٹلر بن کر ''مال'' کے لئے ازخود مغیرہ بن شعبہؓ سے نکاح نہیں کیا۔بلکہ ''ماں'' نے ہی ''مال'' کے لئے لالچ کی تھی۔جس کے سپورٹ واتباع میں لڑکی

نے ''اللہ'' کے قانونِ اطاعت میں سے ''اولوالامر'' میں سے اپنے سرپرست ''ماں'' کے حکم کی اطاعت کرکے، اپنے جائز حاکم کے حکم سے ٹکر کراپنے گھر کے ماحول ومعاشرت اور یکجہتی واتحاد میں آگ نہیں لگائی۔اسی لئے حضورﷺ نے لڑکی کی خوشی کے مطابق کام کروادی۔حالانکہ لڑکی کہہ سکتی تھی کہ ماں! آپ ''مال'' کی طرف کیوں جارہی ہیں! اس شخص کی رائے کے خلاف مت جائے۔جن کی کفالت میں شادی کرنے کا مجھے حق ہے! مگر اس لڑکی نے کفیل سے زیادہ قریب، اپنے سرپرست ''ماں'' کو سمجھی اور ماں ہی کی رائے کے مطابق اپنی شادی کرلی!

آج بھی کوئی لڑکا اور کوئی لڑکی والدین، اور قریبی سرپرست کے مشورے سے اپنے نکاح کے لئے رائے بدل لے یا اپنی خوشی کا اظہار کردے، جس سے گھریلو معاشرت اور چلن میں بگاڑ پیدا نہ ہوتو بالکل درست بلکہ صحیح نظام معاشرت کو قائم کرنے کے لئے یہی صحیح عمل ہے۔ایسا کرنا ہی چاہئے۔یہی تو مقصود ہے ''دیکھ دیکھا لینے'' کا!

اسی طرح حضرت عائشہؓ سے مروی ایک حدیث ہے۔حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ''میرے پاس ایک نوجوان لڑکی آکر کہنے لگی کہ ''میرے باپ نے اپنے بھتیجے سے میرا نکاح کردیا۔حالانکہ میرا دل اس کو پسند نہ کرتا تھا۔حضرت عائشہؓ بولیں کہ! ابھی حضورﷺ نہیں ہیں۔ان کے آنے تک ذرا بیٹھ جا! جب رسول اللہﷺ تشریف لے آئے تو پھر اس لڑکی نے اپنا سارا قصہ رسول اللہﷺ کو بھی سنایا۔آپﷺ نے باپ کو بلاکر کہا کہ: ''اس لڑکی کے نکاح کا قائم رہنا، اس کی خوشی پر منحصر ہے''۔رسول اللہﷺ کے جواب سننے کے بعد نیک لڑکی نے اپنے والدصاحب کے کئے ہوئے زبردستی نکاح کے بارے میں جواب دی کہ ''یارسول اللہﷺ مجھے اپنے باپ کا کیا ہوا یہ نکاح منظور ہے!''۔رہی آپﷺ کے پاس آکر شکایت کرنے کی بات! تو اس کا مطلب میرے دل میں یہ تھا کہ ''عورتوں کے بھی حقوق ہیں۔جن کی جانکاری سبھوں کو معلوم ہوجائے کہ لڑکی کے جوڑے کو اس کی خواہش کے موافق کرنی چاہئے!

اس حدیث میں علمائے کرام صرف یہی معنی لیتے ہیں کہ ''رسول اللہﷺ نے اس حدیث میں باپ کی طرف سے زبردستی سے اپنی بیٹی کے کئے نکاح کو لڑکی کی خوشی پر رکھا ہے۔اس لئے ہر باپ کو چاہئے کہ اپنی بیٹی کے نکاح کے موقع سے بیٹے، بیٹی کی رضامندی کے ساتھ اور ایک نظر لڑکے کو ''لڑکی'' اور ''لڑکی'' کو ''لڑکا'' دیکھا دینا چاہئے۔زبردستی نکاح نہیں کرنا چاہئے۔اگر زبردستی نکاح کردیا گیا ہے تو اس کو توڑ دینے کا حق لڑکی کو ہے۔

یعنی حضورﷺ کے فرمان کے مطابق لڑکی اور لڑکے کی رضامندی اور اس کے لئے ایک دوسرے کو آپس میں ''دیکھ دیکھا لینے'' والا معاملہ غلط نہیں ہے۔یقیناً یہ ہونا ہی چاہئے تاکہ نکاح کا ''سودا'' پرسکون اور دائمی ہو۔لیکن ''دیکھ دیکھا لینے'' اور ''لڑکی اور لڑکے کی مرضی وخوشی'' سوچویشن (حالات کے تقاضے کی روشنی میں ہونا چاہئے)۔لڑکے اور لڑکی کی خوشی اور مرضی ''اطاعت الٰہی'' کے قانون سے ہٹ کر نہیں ہے۔کیوں کہ ایک ہے ''قانون'' اور ایک ہے، اس پر عمل اور ایک ہے نظام معاشرت!''قانون'' اِنفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔عمومی حیثیت سے قانون بیان کیا جاتا ہے۔

مگر جب اس قانون کی ''چیز'' میں انسٹالنگ ہوجاتی ہے تو اس کے ساتھ اور پڑوسی کے بھی قانون کی رعایت ضروری ہوتی ہے۔اسی کو ''ارجسٹ منٹ'' کہتے ہیں۔دو متضاد قوانین کے وقت ارجسٹمنٹ سوچویشن کا خیال لازمی ہوتا ہے۔اسی

سے ''چیز'' کا وجود ہوتا ہے۔ چونکہ معاشرت بھی ایک پسندیدہ ''چیز'' ہے۔ اس لئے اس میں ہر انسان کو اللہ کی طرف سے جو آزادی اور اختیار دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے اسی انفرادی اختیار کو بیان کرتے ہوئے نکاح زبردستی کر دینے پر ''اس کو توڑ دینے کا حق لڑکے اور لڑکیوں کو ہے''۔ بتلائی ہیں۔ مگر اس توڑ دینے کی آزادی کا لنک معاشرت سے یقینی ہے۔

پس اگر دونوں کی مرضی و خوشی کا معنی اطاعت الٰہی اور شریعت کے نظام المعاشرت کے مقصد سے ہٹا ہوا ہو تو اس وقت لڑکے، اور لڑکی کی خوشی کا یہ معنی نہیں ہے کہ موڈرن زمانے کی ذہنیت کے تحت بھاگ بھگوڑے کا رشتہ، غیر کفو یعنی جو برابر کا نہیں ہے، وہ رشتہ، بد معاش رشتہ، خاندان اور نسل کا اَتہ پتہ نہ ہو، اور اولاد کہے کہ میں اسی سے نکاح کروں گا / یا کروں گی۔ وہ رشتہ، کر کے نسل خراب کر لیا جائے، بس یہودی، نصرانی اور عیسائیوں کی طرح گھومیں گے، پھریں گے، کھائیں گے موج و مستی کریں اور مر جائیں گے''۔ خیال سے شریعت کے حکم اور مزاج کے خلاف رشتہ کر دیا جائے۔

پس صرف خوبصورتی، یا مال، یا ظاہری لالچ، لینگویج مخصوص مقام کے لڑکے یا لڑکی وغیرہ کے سبب یا گرل فرینڈ کے موجودہ بیماری میں مبتلا ہونے کے سبب، دل مچلا کر نکاح کے لئے اپنی مرضی و خوشی کا اظہار اور ضد کرنا، اور ایسے رشتے، جس سے خاندان کا نام خراب ہو، والدین و خاندان کی عزت پر داغ لگ رہا ہو، خود لڑکے اور لڑکی کے کیریکٹر اور اخلاق کا سماج میں بدنامی کی شکایت جاری ہو جائے، وقار گر جائے، یا والدین اور سرپرست اپنی تجرباتی زندگی کی روشنی میں رشتہ میں نسل و خون و خاندان کے صحیح نہ پانے کے وقت شادی کے لئے رائے نہ دیں، کیوں کہ آج کل اجنبی شخص کے بارے میں یقینی طور پر پتہ نہیں ہوتا ہے کہ یہ حرامی ہے کہ حلالی، یا انگریزیت و عیسائیت کلچر کے سبب اس لڑکے کا یا اس لڑکی کا کسی غیر سے ''گرل فرنڈ اور بوائے فرنڈ'' کی لعنت میں گرفتاری کے پتہ نہ چلنے کے سبب، یا کمپنیوں میں کام کرنے کے سبب خود غرض مزاج کے تاڑ لینے اور بھانپ لینے کے سبب یا لڑکے اور لڑکی کے جوڑے میں سے دونوں یا کوئی ایک بد چلن، زانی، شرابی کبابی، بد مزاج، بد اخلاق اور ایک دوسرے کو یا کوئی ایک دوسرے کو مار پیٹ کرنے والا ہو، بار بار رُوپئے پیسے کے لئے حرص و لالچ اور ضد کرے کہ اس سے نکاح کر دو۔ یہی میری خوشی ہے، تو ان احادیث کا جن میں ''لڑکی کو لڑکا اور لڑکے کو لڑکی دیکھا کر اس کی خوشی پر جو کو منحصر کیا ہے۔ وہ منحصر کا معنی یہ صورت نہیں ہے۔

لڑکے اور لڑکی کی اس طرح والی ''خوشی'' اور ''میری مرضی'' کے عقیدے کے سوچویشن میں سپورٹ نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ اس میں فوراً آگ لگا کر جلا دینا چاہئے اور سرپرستوں کو چاہئے کہ اپنے ماتحت لختِ جگر کے مستقبل کے حالات کی درستگی والے نیک مزاج اور خوبصورت کردار و اخلاق والے لڑکے اور لڑکیوں کا جوڑا تلاش کرے چاہے دونوں کیلے ہوں یا ان میں سے کوئی ایک کالے ہی کیوں نہ ہوں یا غریب ہی کیوں نہ ہوں۔ ایسی جگہ پر سرپرستوں کا اپنی اولاد پر ضد کرنا اور زبردستی کرنا حرام نہیں، بلکہ فرض اور ضروری ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے جو لڑکی کی خوشی اور مرضی کی بات کہ کر نکاح کے کام کو لڑکے اور لڑکی کی خوشی و اجازت پر منحصر کیا ہے، اس اجازت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بدتمیزی والے چلن کے لئے لڑکے اور لڑکی ضد کرے اور میری مرضی کہے تو اس کی مرضی کے مطابق نکاح کر ہی دینا چاہئے۔ تمام احادیث میں کسی بھی اقوال النبی ﷺ کا یہ مفہوم اور مطلب ہرگز نہیں ہے۔

لیکن! دماغ کے بھونڈے اور عقل کے کورے لوگوں پر بہت افسوس ہوتا ہے کہ اسی حدیث کے مضمون میں یہ معنی اور مفہوم علمائے کرام بیان نہیں کرتے ہیں کہ ''ایک نیک لڑکی اور لڑکے کا مزاج اور اخلاق و کردار'' باپ اور ماں کے کئے نکاح کو باقی رکھ لینا اور من پسند اور میری مرضی چلانے کے بجائے ''باپ کی مرضی، ماں کی مرضی اور اپنی تقدیر پر ایمان لاتے ہوئے نکاح کو باقی رکھ لینا چاہیئے۔ ''میری مرضی'' اور ''خوشی'' کے خلاف والدین کی طرف سے کیا ہوا نکاح بھی ہوجاتا ہے۔ اگر نہیں ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اُس لڑکی کو اور اس کے باپ کو کہہ دیتے کہ جاؤ! اس کا نکاح ہی نہیں ہوا۔ جس لڑکے سے اس کی مرضی ہے۔ اسی سے اس کا دوبارہ نکاح کردو! مگر رسول کائنات ﷺ نے لڑکی سے کہا کہ ''نکاح کو قائم رکھنا لڑکی کی خوشی پر منحصر ہے''۔

ظاہر ہے نکاح ہو گیا تھا۔ تبھی تو حضور ﷺ نے اس کے باقی رکھنے کے لئے'' لڑکی کی خوشی پر ہے''۔ ''شرط'' لگائی۔ اسی طرح لڑکی نے جو رسول اللہ ﷺ کے فرمان و جواب کے بعد نکاح کو باقی رکھ لیا تو، دوبارہ نکاح نہیں پڑھوایا گیا۔ بلکہ باپ ماں نے جو نکاح پڑھا دیا تھا۔ اسی نکاح پر زندگی گذارنے لگی۔

اس سے بھی اسی حدیث سے واضح ہے کہ والدین کا زبردستی نکاح کرادینے کے بعد بحیثیت ولی کے نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔ جب تک لڑکا طلاق کے ذریعے یا لڑکی خلع کے ذریعے لڑکے سے طلاق لے کر نکاح نہ توڑے، تب تک نکاح نہیں ٹوٹتا! اسی طرح جب تک لڑکا خلع زبان سے زور سے منظور نہ کرے، تب بھی نکاح نہیں ٹوٹتا، اگر لڑکی شرارت کرے اور لڑکے اندر معیار نکاح موجود ہو، اور وہ قاضی کے پاس خلع کے لئے مقدمہ دائر کرے اور لڑکا طلاق نہ دے اور قاضی کے پاس لڑکے کی نہیں لڑکی ہی کی غلطی ثابت ہوجائے اور پھر بھی لڑکی رہنے کے لئے تیار نہیں اور لڑکا چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تو قاضی ظالمہ لڑکیاں ور غیر شرعی طور پر ہٹ دھرم لڑکی کو ساتھ نہیں دے گا، بلکہ مظلوم اور با اخلاق لڑکے کو ساتھ دے گا۔ اس کے بعد لڑکے کی ثواب دید پر ہے۔ لڑکی کو اس کے ناز و نخرے اور بد معاشی کو برداشت کر کے رکھے یا پھر اس ظالمہ سے اپنی جان چھڑا لے۔ مگر ایسی ظالمہ اور موڈرن لڑکی پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس صورت میں بھی لعنت ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک اہم پوائنٹ جو ایک نیک لڑکی اور دلہن کے اندر اخلاقی گوشے سے آج کل موجود ہے۔ وہ یہ بھی ہے کہ کسی باپ ماں نے اپنی لڑکی کا نکاح اپنے من پسند لڑکے سے لڑکی کے مزاج و رضامندی کے خلاف کر دی تو اس منعقد شدہ نکاح کو لڑکی کو اپنی تقدیر پر ایمان لاتے ہوئے باقی رکھ لینا اور صبر و تحمل کے ساتھ اسی ناپسند جوڑے سے ''من اور طبیعت'' لگا کر زندگی گذارنا چاہیئے۔ یہ لڑکی کا اخلاق ہے۔

واضح رہے کہ کوئی نیک والدین، سرپرستان ور گارجین لوگ اپنے لخت جگر کے لئے براہ راست نہیں سوچ سکتے ہیں۔ دنیا میں ایسی مثال بالکل نہیں ہے۔ جو واقعات اس کے برخلاف کہیں پر نظر آئے ہیں یا آئیں وہ دین سے ہٹے ہوئے اور بد طینت سرپرستوں کے واقعات تو ہوسکتے ہیں۔ نیک سرپرستوں اور گرجینوں کے ہرگز نہیں۔

اس لئے جاننا چاہیئے کہ جو والدین اور سرپرستان حضرات اپنے بیٹے اور بیٹیوں کے نکاحی معاملے کو آگے بڑھاتے

ہیں۔وہ سبھی اپنی اولاد کی خوشی ہی چاہ کرآ گے بڑھتے بڑھاتے اور جد و جہد اور محنت کثیر کرتے ہیں۔اپنی اولادوں کے لئے پوری زندگی محنت ومشقت کر کے دھن دولت سبھی بیچ باچ دیتے ہیں۔انتھک کوششوں اور اچھے سے اچھے نکاحی جوڑوں کی تلاش کے باوجود مقدر کے کھیل اور اللہ کی طرف سے لکھے ہوئے کے مطابق کہیں کوئی جوڑا ایسا جڑ جاتا ہے کہ اس میں سے لڑکا لڑکی کے اندر اپنی خوشی اور مرضی کی کوئی چیز نہیں پاتا،اسی طرح اس کے برخلاف لڑکی بھی اپنے ہونے والے شوہر کے اندر اپنی مرضی اور خیالی پلاؤ کے موافق کوئی صفت وخاصیت اور مراد کی چیز کو نہیں پاتی ہے۔

اس شادی شدہ جوڑے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف سے لکھی تقدیر کے خلاف اعلان جنگ کردے اور اپنے اولوالامر والدین،اور سرپرستان اور صاحب الرائے رشتے داروں سے رشتے ناطے توڑ تاڑ کر زندگی بھر اللہ کے فرمان ''لا تصعر خدك للناس ولا تمش في الارض مرحا '' کی خلاف ورزی کرتے ہوئے لوگوں سے گالوں کو پھلا پھلا کر،منہ آنکھ ناک اور بھوں چڑھا چڑھا کر،اور غصے غصی کر کر کے،بداخلاقی کا سلوک پیش کرے اور خود کی تعریف میں گھن لگالے۔بلکہ نیک لڑکی کا عمل ''ہو چکنے والے اور پاسٹ'' کا میں اپنی تقدیر پر ایمان لا کر ''اطیعوا اللہ ،اطیعوا الرسول،اور اولی الامر منکم'' والے قانون الہی پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ والدین،اور شرعی صاحب الرائے شخصیت اور اپنے سرپرستوں کی،خاندان کی،سماج کی عزت باقی رکھنا اور ایک نیک معاشرت کو تشکیل دینے میں بہت بڑا شوشل ورکنگ عمل ہونا چاہئے۔

اس حدیث کے اندر ''حضورصلی اللہ علیہ وسلم'' کے لڑکی پر نکاح کو منحصر کرنے کے مشورہ کے بعد بھی لڑکی کا اپنے باپ کی طرف سے زبردستی سے کئے گئے نکاح کے باقی رکھنے والے ''پوائنٹ'' اور عمل مکمل اور صاف طور سے واضح اور ثابت ہے کہ ''شادی شدہ جوڑے میں سے لڑکے کو اگر لڑکی پسند نہ ہو اور والدین اور سرپرستوں نے اگرچہ زبردستی نکاح کردی ہوں تو،لڑکے کو یا اس کے برعکس لڑکی کو لڑکا پسند نہ ہو تو لڑکی کو،اپنے شوہر کو،ریجیکٹ نہیں کرنا چاہئے۔بلکہ اطاعت والے قانون کے تینوں حکموں کو آنکھوں پر رکھتے ہوئے اپنی تقدیر کا حصہ اور اللہ کی مرضی سمجھنا چاہئے۔نکاح مرضی کے خلاف ہوجانے کے بعد ''میری مرضی اور ''خوشی'' کے تن تنہا عقیدہ کو پکڑ کر اپنے اخلاقی رویے،والدین سے حسن سلوک،اس نکاحی عمل میں اِنوال (شریک) تمامی احباب رشتے داروں سے قطع تعلق نہیں کرنا اسلامی تعلیم کے خلاف بدعمل اور بدچلن اور مغرور لوگوں کا عمل ہوتا ہے۔کیوں کہ اس ضدی عقیدہ اور من موجی کے نتیجے میں قطع تعلق اور قطع رحم،اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بہت سی احادیث اور آیات ربانی اور اخلاقیات کے بہت سی تعلیمات قرآنی اور سماجی نسبت سے خاندانی رعب ودبدبے اور حیثیت وامیج میں بہت فرق پڑے گا۔''میری مرضی'' کے تحت بداخلاقی اور گال پھلانے والے رویے سے گھر کو جہنم بنانے سے سکون کا ماحول نہ اپنا بنا پائے گی،نا ہی اپنے والدین،سماج وخاندان کی عزت کو برقرار رکھ پائے گی۔

یعنی نیک معاشرت کی جو نکاح سے مقصود ومطلوب ہے۔اس کا وجود نہیں ہو پائے گا۔اسی عقل ودانائی اور اخلاقی پہلو کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ''لڑکی کی خوشی پر نکاح منحصر ہے'' فرمایا تو لڑکی نے اس وقت باپ پر غصہ نہیں کیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی زبردستی سے نکاح کرنے والے باپ پر غصہ نہیں کیا۔بلکہ محض موجودہ سوچویشن وسرکل کے

انسان کے انفرادی ''قانون'' کو بتادیا کہ ''لڑکی کی خوشی پر نکاح منحصر ہے''۔

اس قانون کے معلوم ہو جانے کے بعد فرماں برداراور نیک لڑکی نے ''نکاح'' کو باقی رکھ کر اپنے نیک واطاعت کے قانون پر مکمل عمل کرنے والی ہونے کو اسی طرح، والدین ،اللہ، اور اولوالامر کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ،صبر اور تقدیر پر ایمان لاکر نکاح کو باقی رکھ کے دنیا کے اندر ایسے والدین کی طرف سے ہوئے زبردستی نکاح کو بھی باقی رکھ کر اپنی ،خاندان کی اور والدین کی عزت بچانے والی لڑکی ہونے کی تعلیم پیش کردی۔

بتایئے! رسول اللہ ﷺ سے بھی کوئی زیادہ امت کے غمخوار اور کسی کی مرضی اور خوشی کی حقیقت کو جان سکتا ہے! ہرگز نہیں! مگر آج کل کے ماحول میں اپنے اور قریبی رشتے دار لوگ ہی لڑکے اور لڑکی کے من پسند اور خوشی سے نہ ہونے والے نکاح کی بوبھی اگر مل جاتی ہے تو لڑکی اور لڑکے کو غلط سلط باتیں، جملے منہ چڑھا چڑھا کر بول بول کر ایک نئے تشکیل شدہ خاندان کے گھر کو آگ لگانے لگتے ہیں۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جو لڑکی نے نکاح کو قائم رکھ کر اپنی اور اپنے خاندان و والدین کی عزت بچانے کی رہتی دنیا تک کے نا پسند جوڑے کو تعلیم دی ہیں، اس تعلیم کو چھوڑ کر دوسروں کی بے جا اور زندگی اجاڑنے والی ،اور مستقل دوگروں کے تمامی افرادوں کے دل کو برباد کرنے والی باتوں کو سن سن کر ماں باپ کو ناراض کر کے جہنم خریدتی ہیں اور اپنے گھر ،سماج، ماحول معاشرت میں ایسی بدنامی پیش کرتی ہیں کہ الامان والحفیظ!

علمائے کرام کو چاہئے کہ جب بھی کوئی حدیث اور آیت کریمہ پیش کریں تو اس کے اندر کے مضامین کو دیگر آیات و احادیث کے برعکس حکم والی آیات واحادیث والے برعکس اور مخالف مضامین کو بھی سامنے رکھ کر درمیانہ اور صحیح معنی یا ایسی تطبیق پیش کریں کہ اس سے تمامی آیات و احکامات اور احادیث کے مفہوم قریب اور ایک معنی سے متفق اور مل جائے۔ دھرلے سے ''یہ حرام ہے۔ وہ حلال ہے۔ یہ ناجائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ روکا ہے۔ لڑکی یا لڑکے کی مرضی کے خلاف شادی بیاہ نہ کرنا چاہئے۔ لڑکی کو لڑکا اور لڑکے کو لڑکی ایک نظر دیکھا دینا چاہئے۔ ہرگز نئے جوڑوں کے منہ پر اور سامنے سامنے نہیں کہنا چاہئے۔ بلکہ سوچویشن اور انکے سرپرستوں کے مزاج و ماحول اور لڑکی کی اخلاقی حالت کی تحقیق کر کے ان کے سرپرستوں سے گفتگو کرنی چاہئے۔ اگر سوچویشن اجازت دے کہ لڑکے اور لڑکی سے بھی گفتگو ضروری اور مناسب ہے، تب ان کو بھی شرعی حدود میں تربیت کرنی چاہئے۔

بہت سے آدمی تو یہاں تک لڑکے یا لڑکی کو اُسکاتے ہیں کہ ''تمہارے باپ، ماں نے غلط کیا۔ لڑکے والے کو بہت فائدہ ہوا۔ اسے خوبصورت لڑکی ملی۔ مال ملا۔ تمہیں کیا ملا؟ ایسا تمہارے والد کو نہیں کرنا چاہئے۔ تمہاری زندگی کو جہنم بنادیا گیا ہے۔ تم کو ''بلیک میل'' وہ لوگ کئے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ، بہت سے غلط سلط جملے اور رویے اختیار کرتے ہیں۔ یہ سب غلط ہیں۔

بتایئے! ایک نیک اور صحیح سوچ رکھنے والے خصوصا پڑھے لکھے اور دین و دنیا سے جانکار والدین اور سرپرست اپنے ہی لحت جگر کا کہیں بلیک میل کریں گے؟ اس طرح کا جملہ بول بول کر سکھا کر نئے جوڑوں کو دینے والے اور اس کی زندگی کو اجاڑنے والے لوگ لڑکے اور لڑکی کے دوست اور خیرخواہ نہیں دشمن اور حسد کرنے والے ہیں۔ بہت سے لوگ جو

دیکھتے ہیں کہ اس کی شادی بخوبی اور قابل تعریف ہوئی، اسکا جوڑا پرسکون مل گیا۔ اسے مال و دولت، خاندان، عزت و ناموس اورنسل کی صحت والا رشتہ مل گیا تو وہ حسد میں آ کر اس جوڑے کے اندر بگاڑ اور نیک نامی سے ہوئے نکاح کو بدنامی کی دہلیز پر پہنچانے کی کوشش میں اس طرح سے براہ راست نئے جوڑے کے سامنے بے تکی اور نامناسب باتیں محبت میں عداوت دکھاتے ہوئے کرتے ہیں۔

اس لئے لوگوں کوایک شادی شدہ کے جوڑے کوحتی الامکان امن وان والے ماحول بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر لڑکا یا لڑکی خود سے کسی کے پاس اپنی ناراضگی کا اظہار کریں تو انہیں تقدیری آیات واحادیث اور واقعات صحابہ اور بزرگوں کے حالات بیان کر کے دل و دماغ کو دلہا اور دلہن کے درمیان محبت ومؤدت اور انسیت پیدا کرنے والے رویے، جملے بول کر نیک طرز معاشرت والی زندگی گذارنے کی تلقین وترغیب دینی چاہئے۔ پراکرتی دیش متھلانچل کی زبان میں مقولہ مشہور ہے'' بھیل بیاہ مور کر بہ کی''! یعنی نکاح ہو جانے کے بعد تو زندگی کے بندھن میں بندھ گئے۔ اب کسی کی سننے اور بکنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ نئے جوڑے نے ایک دوسرے کو'' ھن لباس لکم و انتم لباس لھن'' کے دفعہ الٰہی پرعمل کر کے ایک دوسرے کوجنسی تسکین پہنچا کر اپنی اپنی عزت وشرمگاہ کوایک دوسرے کے لئے اوپن کردی۔ عزت ایک دوسرے کے حوالے کردی۔ اب اس عزت کوکسی کی صحیح عیب بتلا دینے کے بعد بھی نیلام کرنا یقیناً غلط ہے۔ نیز ''بدنامی'' الگ!

''عیب'' کس کے اندر نہیں ہے! بے عیب تو رب کائنات ہے۔ دنیا میں کوئی کالا ہے، کوئی گورا ہے، کوئی درمیانی کلر کا ہے، کوئی بھونڈا ہے، کوئی چونڈا ہے۔ کوئی ناٹا، گڈا اور بڈھا ہے تو کوئی لمبا اور لمبی ہے۔ کوئی کالا بھی دیکھنے میں بہترین حسن اور دل موہ لینے والا ہے۔ کوئی خوبصورت بھی دیکھنے میں گھن کرنے کے لائق ہے۔ کوئی پڑھا لکھا ہے۔ کوئی جاہل ہے۔ کوئی کسی طرح تو کوئی کسی طرح! نصیب کا جوڑا تو آسمان پر اس انسان کے پیدا کرنے والے خالق ہی لگا چکے ہیں۔

''عورت اور اسلام'' کتاب ص:۳۱ پر اللہ تعالی کا فرمان'' و من آیاتہ خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا و جعل بینکم مؤدۃ و رحمۃ '' ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ'' اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے نفوس سے تمہاری رفیقۂ حیات کو پیدا کیا، تا کہ اس کے ذریعہ سے تم سکون قلب حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت ورحمت کو پیدا کیا۔

کوئی شخص اپنا جوڑا لگا تا نہیں ہے۔ بلکہ خدا کے اس کے پیدا ہوتے وقت جو قسمت میں جوڑا لگا دیا گیا ہوتا ہے۔ اس کی وہ تلاش کر کے دنیاوی رسم کے مطابق آپس میں جڑ جاتا ہے۔ اس جڑنے میں میاں بیوی کے اندر مختلف انداز سے کوئی نہ کوئی اچھی صفت ہوتی ہے تو کوئی نہ کوئی خراب اور غصہ والی صفت اور ناپسندیدگی کی صفت بھی موجود ہوتی ہے۔ اس دنیا میں دو مختلف اور آزاد خیال کے جوڑے کو نکاحی بندھن میں باندھ کر مکمل ایک دوسرے کے مزاج سے چلنا مشکل ہے۔ یہاں تو نکاح کے بعد کی زندگی بس ارجسٹ منٹ والی زندگی ہے۔

جیسے ایک ایمپلی فائر اور مائک سیٹنگ میں آواز کی صفائی کے لئے سیٹن بٹن ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے آواز سیٹنگ

کر کے صحیح اور صاف آواز باہر لائی جاتی ہے۔اسی طرح سے نکاح کے جوڑے میاں بیوی کو ارجسٹ کر کے زندگی گذارنا ہے۔کسی ایک کی مکمل طور پر دوسرے پر نہ حکمرانی چلے گی نا ہی مکمل پسند کی چیز ایک دوسرے میں ملے گی۔جو ملی سو صحیح! یہ بھی اللہ کی آزمائش ہے۔بس انسان کا کام صرف شکر کر کے اللہ کے لکھی تقدیر کے مطابق یہاں سے نیک عمل کر کے نیک نامی کے ساتھ جنت میں جانے کی اور وہاں بھی آرام سے رہنے کے لئے تیاری کرنی ہے۔

اسی مقصد کے تحت جو نیک لوگ ہوتے ہیں وہ دونا پسند شادی شدہ جوڑے کے لئے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ان کے برخلاف ''میری مرضی''خوشی'' کے عنوان کو بول بول کر دولہا اور دلہن کے درمیان بگاڑ،طلاق،خلع اور بربادی والی زندگی، کیس مقدمات والی صورتیں،لڑکے اور لڑکیوں کے فیملی اور والدین ورشتے داروں میں نفرتوں کی آگ کو ہوا دینے والی باتیں کرنے والے لوگ حقیقت میں دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں۔

اس لئے اپنے خیر خواہوں اور دشمنوں کو نیک لڑکی کو اور نیک لڑکے کو پہچاننا چاہئے اور اپنا قدم ''اطیعو اللہ ،اطیعو الرسول،اور اولی الامر منکم'' والے قانون الٰہی کے مطابق ہی اٹھانا چاہئے۔اس قانون سے ہٹ کر میری مرضی کا عقیدہ پختہ رکھنا حرام ہے۔فساد کی بیج اور شیطانی عمل ہے۔اس لئے اسی حدیث سے جس کو بعض لوگ پیش کر کے بڑے زوردار انداز میں زبردستی نکاح کرنے والے والدین اور سرپرستوں کے خلاف بکواس کرتے ہیں اور شادی شدہ جوڑوں میں خوشی لانے والے کام وحرکت کے بجائے بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔

اس لئے حقیقت یہی ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ زبردستی کی شادی ہو جاتی ہے۔ایسی شادی کے جوڑوں کو نکاح باقی رکھ کر اس لئے اپنے خیر خواہوں اور دشمنوں کو نیک لڑکی کو اور نیک لڑکے کو پہچان کر اپنا قدم ''اطیعو اللہ ،اطیعو الرسول،اور اولی الامر منکم'' والے قانون الٰہی کے مطابق ہی اٹھانا چاہئے۔اس قانون سے ہٹ کر میری مرضی کا عقیدہ پختہ رکھنا حرام ہے۔فساد کی بیج اور شیطانی عمل ہے۔اس سے بچنا فرض ہے۔

میں جو لڑکی کی رضامندی کو ان کے سرپرستوں اور خصوصا والدین وخاندان کے شرعی رائے سے جوڑتا ہوں۔یہ قانونِ اطاعت کے تینوں پوائنٹ ''اللہ،رسول اور اولوالامر'' کے حکم الٰہی کے تحت ایک نیک طرز معاشرت کی تشکیل کے لئے جوڑتا ہوں۔کیوں کہ خطبۂ نکاح میں حضورﷺ کی تلاوت کردہ آیات ربانیہ اسی نیک طرز معاشرت کے لئے بطور تنبیہ کے ہیں۔

ان آیات سے بالکلیہ ہٹ کر صرف ''میری مرضی اور خوشی'' کے عنوان کو لے کر بچپن سے والدین اور سرپرستوں کے درمیانی ماحول میں پلنے والے بچے بچیاں یکلخت اپنی کم میموری والی اور نا تجربہ کار زندگی اور بچگانی مزاج والی مرضی سے اپنی پوری زندگی کے سوے کو صحیح سے منتخب نہیں کرسکتی ہے۔اس کے لئے بہر حال راہنمائی کی ضرورت ہے۔یہ راہنمائی بالیقین اولوالامر کی نگرانی میں پوری ہوسکتی ہے۔

اس لئے ایک نیک لڑکی کو اور نیک لڑکے کو اپنے خیر خواہوں اور دشمنوں کو پہچان کر اپنا قدم ''اطیعو اللہ ،اطیعو الرسول،اور اولی الامر منکم'' والے قانون الٰہی کے مطابق ہی اٹھانا چاہئے۔اس قانون سے ہٹ کر صرف ''میری مرضی اور خوشی'' کے پختہ عقیدہ رکھنا حرام اور فساد کی بیج اور شیطانی عمل ہے۔کیوں کہ لڑکی اور لڑکے کو ''اطاعت الٰہی ،اطاعت

رسول ﷺ اور اولوالامر'' کی سرپرستی سے بالکل کاٹ کر کلی طور پر انہی دونوں کی رضامندی پر ان کے کل اور خصوصا نکاح کے معاملے کو چھوڑ دیا جائے تو اس میں لڑکے اور لڑکی کو زیادہ نقصان ہے۔

ویسے یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کا ہر معاملہ تقدیر سے معلق ہی ہے۔ پس اگر تقدیر کی طرف نظر کر کے کسی بھی کام میں ہر ایک کو مکمل چھوٹ دے کر یہ کہہ دیا جائے کہ ''اس کو اس کی مرضی سے ہی فلاں کام مثلاً شادی ہی کرنے دو'' جو ہوگا۔ سو ہوگا'' تقدیر میں جو ہوگا سو ہوگا، تو پھر ''نماز، روزے اور دیگر امورِ شرعیہ الٰہیہ کی بھی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔ بلکہ ''نکاح'' کے خاص عمل کی بھی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔ بس گائے، بیل اور بھینس وغیرہ جانور کی طرح جیسے ملے، جہاں ملے، جفتی اور سیکس کی ضرورت کو پوری کر لی جاسکتی ہے۔ نہ قرآن کی ضرورت ہے۔ نہ حدیث کی پابندی کی!

حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہر کام کے لئے ایک خاص قانون اور خاص ترتیب سے سیٹنگ وفیٹنگ کی مناسب طور پر ہر حال میں ضرورت ہے۔ تبھی چیز کا وجود اور ایک نام ملتا ہے۔ جیسے پیچھے میں نے ''انسان'' کے انسان نام پانے کی اس کے پارٹس کے آپس میں متحد ہونے کی مثال پیش کی ہیں۔

آج کل ویسے بھی انٹرنیٹ، اور موبائل کا زمانہ ہے۔ پوری دنیا اور اس کے اندر کی تمام چیزیں مٹھی میں ہیں۔ انسان پر کسی کا کوئی دباؤ نہیں ہے۔ سبھی کلی طور پر آزاد ہیں۔ ماں، باپ، سماج اور بڑے بزرگوں کی حیثیت عرفی سب ''چولی بھانز'' میں جارہی ہیں۔ کوئی کسی کی ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ماننے تو دور کی بات ہے۔ کسی بڑے کے قانون اور احتیاطی پہلو کو کوئی سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہے۔ جبکہ کسی چیز کو پہلے سننا ضروری ہے۔ سننے کے بعد سمجھنا بھی لازم ہے۔ سمجھنے کے بعد اچھے برے کی پہچان اور شناخت لازم ہے۔ اچھے اور برے کی شناخت کے بعد اچھی چیز کو اختیار کرنا انسانیت ہے۔ بری چیز کو جان کر اختیار کرنا بُرا ہے۔

لیکن انٹرنیٹ اور موبائل کی ظاہری خوشنمائی نے کچی عمر کے لڑکے اور لڑکیاں تو درکنار بڑے اور بوڑھی عمر کی عورتوں اور مردوں کا بھی حال بہت خراب ہو چکا ہے۔ صرف ''مرضی اور خوشی'' کے پیار کے سبب تو ملک در ملک بھی بدل لیا جارہا ہے۔ اس مرضی اور خوشی والی آزادی اور اختیار نے نہ صرف سماج اور خاندان و قبیلے کے نام کو پلید کر کے مٹی میں ملا دیا ہے۔ بلکہ ملک کے وقار کو بھی نہ ٹھیک ہونے والا اور لاعلاج مرض ''ٹائفائڈ بخار'' لگا دیا ہے۔

اس لئے ظاہر ہے کہ ''لڑکی کی خوشی اور مرضی'' کی آزادی کا معنی ہرگز ''اطیعوا اللہ، اطیعوا الرسول، اور اولی الامر منکم والے قانون الٰہی'' کے لنک سے کلی طور پر ہٹا کر نہیں بنایا جائے گا۔ ورنہ پھر آج کے لڑکے اور لڑکیاں موبائل اور فیس بک پر، انسٹاگرام وغیرہ لنکوں سے دھیڑ، چمار، غیر مسلم یہودی، حرامی، بدتمیز اور شیطان قسم کے صرف سیکس کے پجاری لڑکوں اور لڑکیوں سے نکاح کر دینے کے لئے اپنی مرضی اور خوشی پیش کریں گی تو پھر تمام والدین کو ان لڑکیوں اور لڑکوں کے من پسند موڈرن عہد کے جوڑوں کا ساتھ دے کر جوڑ دینا چاہیئے۔ جس میں سنتی طریقۂ نکاح کی بھی ضرورت نہیں ہونی چاہیئے۔ کیوں کے نکاح کے سنتی طریقہ خاص میں جن آیات واحادیث نبوی ﷺ کی تلاوت کر کے قاضی لڑکے اور لڑکیوں کے جوڑے کو ہدایات الٰہیہ پیش کرتے ہیں۔

ان ہدایات میں بھی ''ذاتی تقوے و پرہیزگاری، صبر وتحمل'' سے زندگی گذارنے کی تلقین، مسلمان حالت میں موت ہونے کی تاکید، نسل کی پاکیزگی کی تاکید و ہدایت، زبان پر کنٹرولنگ کے ساتھ سچائی کے ساتھ ارجسٹمنٹ زندگی گذارنے کی ہدایت، اپنے ہر عمل کو اللہ کے بتلائے ہوئے راستے کے مطابق کرنے کی جو تلقین کی گئی ہے۔

ان تمام ترغیبوں اور تلقین و ہدایات ربانی اور احادیث نبویﷺ سے بھی نکاح کے جوڑوں یعنی دولہا و دلہن کو یہی بتلانا مقصود ہے کہ'' آپ دنیاوی نظریے اور اپنی کم میموری کے موافق شریعت اور اللہ کے قوانین سے مکمل ہٹ اوٹ کر کلی طور آزاد نہیں ہیں''۔ آپ کی ''میری مرضی اور میری خوشی'' کا عقیدہ "اطیعو اللہ، اطیعو الرسول، اور اولی الامر منکم" والے قانون الٰہی کے مطابق ''اطیعو اللہ، اطیعو الرسول، اور اولی الامر منکم'' والے قانون الٰہی'' لنک میں رہنا چاہئے۔ اسی ''لنک'' سے طرز معاشرت صالح بنے گا، اور معلوم ہوگا کہ'' لڑکی اور لڑکے'' کی پرورش ایک نیک خاندان اور قبیلے میں دینداری کی روشنی میں ہوئی ہے۔ یقیناً ایک نیک لڑکی اور لڑکا اپنی خوشی اور مرضی کو اپنے محدود میموری کے اندر محدود نہیں رکھ سکتے ہیں۔ بلکہ وہ اپنے تجربہ کار بڑوں کی سرپرستی اور گارجین شپ کے فولڈر ہی میں اپنی تقدیر کے اوپر ایمان رکھتے ہوئے اپنی مرضی کا اظہار بطور مشورہ کے پیش کرے گی۔

جیسا کہ حقوق نسواں کتاب رص:۱۱۸ر پر حضرت عائشہ سے مروی روایت حدیث میں رسول اللہﷺ کے یہ کہنے پر کہ'' اس لڑکی کی خوشی پر (نکاح کا باقی رہنا) منحصر ہے'' کے بعد لڑکی نے اپنے اللہ، رسولﷺ اور اولوالامر یعنی والدین، اور بڑے بزرگوں اور خاندان کے ججمنٹ کو یعنی نکاح کر دینے کو اپنی تقدیر کا حصہ سمجھ کر قائم رکھ لی۔ دنیا کی تمام لڑکیوں اور عورتوں اور لڑکوں کو اسی لڑکی کی طرح با اخلاق ہونا چاہئے اور باوجودیکہ ان کی خوشی اور مرضی کے خلاف کوئی عمل وجود میں آگیا تو بھی ''اطیعو اللہ، اطیعو الرسول، اور اولی الامر منکم" والے قانون الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے رضامند ہو جانا چاہئے۔

اس لئے صرف ''لا تقربو الصلوۃ'' کو دیکھ کر نماز سے قریب بھی نہ ہونے کے لئے پرچار کرنا درست نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ ''وانتم سکاریٰ'' کو بھی ملا کر معنی صحیح بنا کر یہ حقیقت سمجھنی چاہئے کہ ''نماز سے نشے کی حالت میں'' قریب تک نہ ہونا چاہئے کہ اس حالت میں نماز نہیں شیطانی عمل ہو جائے گا، جو لوگ احادیث کی روشنی میں اطاعت کے ترتیب وار اللہ، رسولﷺ اور اولوامر یعنی والدین، خاندان، اور بڑوں کی شرعی رائے سے ہٹ کر لڑکے اور لڑکیوں کو جو پوری آزادی دیتے ہیں اور ان کا سپورٹ کرتے ہیں کہ'' فلاں کے والدین نے غلطی کی ہیں۔ بچی یا بچے سے پوچھ لینا چاہئے، وہ اطاعت کے لنک کو مرضی سے الگ کر کے فسادی اور دنیاوی طرز معاشرت اور شیطانی راہ پر چلنے کے لئے گویا کہ ترغیب دے رہے ہیں۔ یہ لوگ والدین کی خاندانی مرضی اور حیثیت کے مطابق کردہ نکاحی جوڑے کو بہکا کر، اُسکا کر، غلط سلط جملے بول بول کر کسی شادی شدہ کے جوڑے کے گھر اور نئے تشکیل شدہ خاندان کو محفوظ نہیں رکھ رہے ہیں۔ بلکہ یہ دین کے بھی دشمن ہیں اور خطبۂ نکاح کے اندر اللہ کی دی ہوئی ہدایات کی حقیقت سے کورے ہو کر دولہا اور دولہن کے بھی دشمن ہیں۔

نیک لوگوں اور خیرخواہوں کا کام نئے شادی شدہ جوڑے خواہ یہ جوڑا، اپنی مرضی سے جڑے ہوں یا کہ اطاعت کے

قانون سے اولوالامر میں سے اپنے سر پرست کی رائے سے جڑے ہوں یا سر پرستوں کی تجربہ کاروالی زدگی کی روشنی میں زبردستی جڑ کر جڑے ہوں، دونوں کے درمیان سمجھوتہ کرا کر نیک زندگی گذارنے کے لئے تلقین کرنا ہے۔ ہر شادی شدہ جوڑے میں کچھ نہ کچھ کمی ہوتی ہے اور ہوگی ہی ہوگی۔ بہت سے خوبصورت جوڑوں کا گھر جہنم بن کر کورٹ کا چکر لگا رہا ہے۔ بہت سے خوبصورت لڑکے اور بدصورت لڑکیوں کا جوڑا جیل میں سڑ رہا ہے۔ بہت سے بدصورت، کالے کلوٹے اور موٹے اوٹے لڑکوں کی خوبصورت بیویاں بداخلاق، بدچلن اور بدتمیز ہیں۔ ان کو بولنے کا شعور نہیں۔ گھمنڈ، اور من موجی کے غیر شرعی اور اخلاق سے دور رویے اور جملوں سے زندگی اجاڑ بن چکی ہیں۔ ابولہب کا معنی ہی ''چمکدار کا باپ'' ہے۔ اس خبیث سے بہتر خوبصورت کوئی نہ تھا۔ اس کا نام ہی ابولہب اس کی خوبصورتی کی وجہ سے تھا۔ مگر دنیا کا سب سے بداخلاق شخص سرور کائنات کا جانی دشمن تھا۔ کافر بن کر مر کر ہاتھ توڑ تاڑ کر کنویں کے اندر مٹی میں دبا عذاب الٰہی کا مزہ چکھ رہا ہے۔ ابوجہل بہت خوبصورت تھا۔ اس کی قبر پر اس کی بدتمیزی اور بداخلاقی کے سبب ساری دنیا کے حاجی آج پاخانہ کرنے کو نیکی جانتے ہیں۔ وہ حاجیوں کے پاخانہ کے جوس کو پی پی کر اپنے حلق کو تر کر رہا ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے خوبصورت جوڑوں کے گھروں میں چین و سکون نہیں۔ اصل دینداری، اخلاقی حالت درستگی، کم گوئی، چال چلن اور عاشرت کی صحت نرم مزاجی، معاشرت کو درست بنا کر نیک نامی پیدا کرنے والی صلاحیت ہے۔

سورۂ مریم/آیت/۹۶/میں ہے''اِنَّ الَّذِینَ آمَنُوا وَ عَمِلُوالصّٰلِحٰتِ سَیَجعَلُ لَھُمُ الرَّحمٰنُ وُدًّا ہ کہ جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں محبتیں رکھ دے گا''۔ اس آیت سے بچے اور بچیوں کے لئے شادی کا معیار صرف دینداری کو اللہ تعالیٰ بنایا ہے۔ حضور ﷺ نے بھی ایک حدیث میں فرمایا ہے'' تُنکَحُ المراٗۃُ لِأربَعٍ لِمَالِھَا وَلِجَمَالِھَا وَ لِحَسَبِھَا وَلِجَمَالِھَا وَلِدِ ینِھَا فَا ظُفُرُ بِذَ اتِ الدِّینِ تَرِبَتْ یَدَاکَ'' کہ عام طور سے دنیا میں لوگ'' عورت'' سے شادی کرتے ہیں تو اس کے مال، حسن و جمال، خاندان اور دین و اخلاق'' کو دیکھتے ہیں۔ مگر تم ان میں سے '' دیندار اور اخلاق مند'' لڑکے، لڑکیوں سے شادی کر کے مقصد حاصل کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہارا بُرا ہو''۔

اس حدیث میں عام لوگوں کے نکاح کے لئے لڑکے لڑکی کے انتخاب یعنی چوائز'' مال، حسن و جمال اور خوبصورتی حسب ونسب'' کو زیادہ دیکھتے ہیں۔ جبکہ'' مال، حسن و جمال اور خوبصورتی یا خاندانی سیٹھی ورعبداری'' سکنڈری چیز ہے۔ اصل نکاح کے لئے معیار تو'' اخلاق کریمانہ، دینداری اور نسل کی صحت اور درست مزاجی'' ہے۔ اسی صفت خاص کو رسول اللہ ﷺ نے معیار نکاح اور شادی کے لئے بنیادی پوائنٹ پیش کی ہیں۔ نیز اپنے پیش کردہ صحیح سوچیشن سے الگ رہنے والے کے حق میں لعنت بھی کی ہیں۔ غور کیجئے کہ جس کے حق میں دو عالم کے سردار ﷺ لعنت بھیجیں۔ ان کا کیا حال ہوگا۔

حضرت شعیبؑ نے جو حضرت موسیٰؑ کو اپنے گھر ٹھکانہ دیا تو حضرت شعیبؑ نے اپنے یہاں ان کو جو ۸/سالوں تک بکریاں چرانے کے لئے نوکر بنا کر رکھا تھا۔ اس سے مقصد حضرت موسیٰؑ کی عادت و اخلاق، نیک صفت اور نسل کی صحت ہی کی جانچ کرنی تھی۔ کیوں کہ معیار نکاح یہی'' خلاق کریمانہ اور کردار یگانہ'' ہے۔ اس میں کالے، گورے چٹے، لینگویج کی جانکاری، نوکری و ملازمت کے لائق شخصیت، مال و دولت کی ریل پیل اور خاندانی شہرت کوئی معنی نہیں رکھتے ہیں۔

اسی وجہ سے۔تمام سلف صالحین نے شادی کے جوڑے کا معیار اور اصول ومرکزی پوائنٹ ''سیرت'' کو بنایا ہے۔ ''صورت'' اور دیگر دنیاوی ضرورتوں کو نہیں۔ جہاں کوئی نیک سیرت با کردار ڈبا اخلاق رشتہ لڑکے کے لئے یا لڑکی کے لئے نظر آیا۔ نہ شکل وصورت کو دیکھتے، نا ہی آمدن (مال ودولت وغیرہ) اور دیگر کسی دنیاوی چیزوں کو بس فوراً رشتہ طے کر دیتے تھے۔اس طرح کے رشتے میں اللہ کی مدد آجاتی ہے۔

متقی شخصیت کا انتخاب: بغداد سٹی کا ایک سچے، اچھے اور دیندار بچے کا واقعہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ وہ سچا مگر کئی دنوں سے بھوکا نوجوان ایک دن نہر کے کنارے جا رہا تھا۔ اتفاق سے نہر میں ایک بہتے سیب کو جاتے دیکھا۔ بھوک کی وجہ سے فوراً اس سیب کو اٹھا کر کھا لیا۔لیکن کھانے کے بعد خیال آیا کہ نہ جانے یہ سیب کس کا تھا۔اس کا مالک کون تھا۔میں نے تو اس کی اجازت کے بغیر یہ سیب کھالی۔آخرت میں تو اس کے بارے میں مجھ سے پوچھ ہوگی۔اس وقت میں اللہ کی عدالت میں گرفتار ہو جاؤں گا۔اس خیال سے وہ جدھر سیب پانی میں بہ کر آرہا تھا۔اس طرف رخ کر کے اس کے مالک کی تلاش میں چلدیا۔ بہت دور جا کر دیکھا کہ نہر کے کنارے سیب کا ایک باغ ہے۔جس کے درخت کی شاخیں پانی کی طرف جھکی ہوئی ہیں۔وہ لڑکا سمجھ گیا کہ اسی باغ کا یہ سیب ہے۔اب اس باغ کے مالک کا پتہ لگا کر اس کے مالک کے پاس پہنچ کر عرض کیا کہ میں نے آپ کے باغ سے گرے ایک سیب جو پانی میں بہہ کر جا رہا تھا۔آپ کی اجازت کے بغیر کھالیا۔

اس لئے معافی مانگنے آیا ہوں۔مالک سمجھ گیا کہ یہ نہایت سچا اور اچھی سیرت وکردار اور متقی لڑکا ہے۔اس لئے اس کو کہا کہ ''میں جب تلک تو دس سال تک اس باغ کی رکھوالی نہیں کرے گا۔تب تلک معاف نہیں کروں گا۔ یہ سچا نوجوان منظور کر کے دس سال تک اس باغ کی رکھوالی کی۔شرط پوری ہو جانے کے بعد مالک سے گھر جانے کے لئے جب اجازت مانگی تو مالک نے کہا ابھی دو سال اور تمہیں باغ کی رکھوالی کرنی ہوگی۔اس دو سال کو بھی اس نے پوری کر کے پورے بارہ سال باغ کی رکھوالی کی۔

اس کے بعد پھر اجازت چاہی تو مالک نے کہا ایک اور شرط ابھی باقی ہے۔نوجوان نے کہا وہ کیا؟ تو مالک باغ نے کہا کہ ''وہ شرط میری اندھی، کانی، لولی'' صفت کی ایک لڑکی ہے۔ تجھے اس سے شادی کرنی ہوگی۔نوجوان اللہ کے پاس ایک سیب کے بغیر اجازت کھا لینے کے گناہ کے سبب جہنم سے بچنے کے لئے اس مالک سے معاف کر دینے کے چکر میں باغ کے مالک کی اس اپاہج لڑکی سے شادی بھی کر لی۔جب پہلی رات میں لڑکی سے نوجوان ملا تو اس نے لڑکے اندر کے وہ سارے عیوب جو اس کے باپ نے گنوائے تھے کہ وہ لنگڑی، لولی، اور اندھی ہے'' کچھ نہ پایا، بلکہ سب درست اور صحیح سالم کے ساتھ پائے۔

اس طرح درست حالت میں پانے کے بعد لڑکے نے خیال کیا کہ شاید لڑکی بدل گئی ہے۔اس وجہ سے اپنے سسرال جا کر سسر جی سے واقعہ بیان کیا تو سسر جی نے کہا کہ لڑکی وہی ہے، جس کی صفات میں نے بیان کی ہیں۔رہی عیب کی بات! تو میری لڑکی نے کبھی شریعت کے خلاف کام نہیں کیا۔اس لئے اسے میں نے ''لنجی'' کہا۔کبھی گھر سے باہر بغیر

اجازت کے قدم نہیں رکھا۔اس لئے اس کو لنگڑی کہا۔کبھی غلط بات نہیں سنی۔اس لئے اس کو گونگی کہا۔اس کے بعد اس نوجوان کو بات سمجھ میں بات آ گئی کہ تقوی اور پرہیز گاری کے بدلے اللہ تعالی نے اس لڑکی کا انتخاب کیا اور وہ مجھے ملی۔یہ وہی خاتون ہیں، جن کے پیٹ سے پیروں کے پیر غوث الاعظم دستگیر سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانیؒ پیدا ہوئے۔

دیکھئے! واقعہ بہت عبرت آموز ہے۔لڑکا کتنا سچا اور متقی اور نیک تھا کہ اسنے ایک بہتے سیب کے کھانے کے بعد مالک سے اجازت لینے کے لئے فکر مند ہوا،اور حرام مال سے بچ کر نیک سیرت کے مطابق مالک کو تلاش کر کے اسکی ہر شرط کو منظور کر لی۔یہاں تک اس نے اس کی لڑکی کے اندر بہت سے عیبوں کو سن کر بھی اس سے شادی کے لئے تیار ہو گیا اور کر بھی لی۔

اس کے علاوہ جس لڑکی سے اس کی شادی ہوئی۔اس لڑکی سے اس کے باپ نے اجازت نہیں لی۔نوجوان کی صرف دینداری پر نکاح کر دیا اور لڑکی باپ کے نکاح کر دینے پر رضامند ہو کر اس نوکر اور اپنے گھر کے غلام سے شادی کر کے زندگی گذارنے لگی۔پس اگر''خلاق کریمانہ اور کردار یگانہ''کسی جوڑے میں نظر آ گئے تو پھر شرعی طریقے سے نکاح خوانی کر دینی چاہئے۔جوڑے میں خوبصورتی، مال، کمال، لینگویج، زبان، خاندانی رعبداری بھی ہے تو نور علی نور۔

اگر خدانخواستہ یہ سب صفات نہ ہوں مگر وقت رشتہ کا آ چکا ہو۔عمر ہو چکی ہو۔رشتہ کرنا فرض کے درجے میں ہوں اور انتھک رشتے کے لئے کوشس کی۔مگر یہی جوڑا ملا،جس سے وقت کا تقاضا نکاح کردنے ہی میں بھلائی نظر آئے تو نکاح کر دینا چاہئے اور لڑکے، لڑکیوں کو بھی نکاح کر لینا چاہئے۔من پسند نہ ہوں اور سرپرستان، والدین اپنی زندگی کے احوال کے پیش نظر اور زمانے کے اتار چڑھا کے تحت براہ حفاظت امانت زبردستی شادی کر دے تو یہ نبیﷺ کے بیان کردہ ''زبردستی شادی نہیں کرنی چاہئے''کے زمرے میں داخل نہیں۔بلکہ ضروری اور صحیح طور پر شادیکر دینے کے فرض کے درجے کے حکم صحیح شادی ہے۔جوڑے کو اس میں اپنے مقدر کا حصہ سمجھ کر بخوشی اور پرامن زندگی گذارنی چاہئے۔

آج کل کی لڑکیاں لڑکے میں دینداری نہیں، بلکہ خوبصورتی، لینگویج، نوکری وغیرہ، اور، وہ چیزیں جو عارضی اور آنی جانی چیزیں ہیں، قدرتی چیزیں ہیں۔ان کو دیکھتی ہیں۔آج کا باپ، ماں بچی بچے کی ان سے پوچھے بغیر پراپرٹی، جائداد بیچ باچ کر، قرضے وغیرہ لے دے کر، سود وغیرہ دے دا کر اور بلکہ اپنی کمائی کے سب کچھ لٹا اُوٹا کر بچے بچیوں کی شادی بڑی مشکل اور تلاش بسیار کے بعد رشتہ کو غنیمت جان کر کے سکون پانا چاہتے ہیں۔مگر اولاد کو موجودہ زمانے کے موڈرن چاہت کے مطابق جوڑا یا ایک دوسرے میں کوئی مطلوب و مراد اور چاہت کی چیز نہ پاتے ہیں تو پھر اس کے لئے گھر میں ننگا ناچ لگا کر اپنے ہی والدین اور سرپرستوں کو بدنام کرنے لگتے ہیں۔اپنی بدتمیزی، بدکرداری اور بدسیرت ہونے کا پکی ثبوت دے دیتی ہیں۔بس ایک ہی رٹ لگائے ہوتے ہیں کہ''میری مرضی سے شادی نہیں ہوئی''میری خوشی نہیں ہوئی''۔جبکہ یہ خیال ایک نیک سیرت خصوصاً پڑھے لکھے گھرانے اور اس میں بھی دیندار اور دینی علم والے گھر کے بچے اور بچیوں کے لئے بالکل غلط ہے۔

آج کل لڑکوں سے یادہ لڑکیاں میری مرضی اور خوشی کے عقیدے میں پختہ ہو گئی ہیں۔پہلے لڑکیاں کوئی کالا اور اچھا

و پرسکون رشتہ مل گیا تو غنیمت جانتی تھی کہ رشتہ تو مل گیا۔ مگر اب تو لڑکیاں ہی لڑکوں کو ریجیکٹ کر دے رہی ہیں۔

''مثالی دلہن'' کتاب کے مؤلف نے ص ر۵۳ر پر نبی ﷺ نے ایک نیک بچی اور شادی کے بعد بیوی کی چار نشانیاں بتلائی ہیں۔ پہلی نشانی: اِنْ أَمَرَ اَطَاعَہٗ کہ جب اسے (شادی سے پہلے اس کے اولوالامر یعنی باپ، ماں اور بڑے بزرگ صاحب الرائے شخصیت اور) شادی کے بعد شوہر کچھ حکم کرے تو وہ ان کے حکم کو مانے۔

دوسری نشانی رانشل: اِنْ نظرَ اِلَیھَا سَرَّتہٗ۔ کہ جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو اس طرح چال، بولی، چہرہ اور اخلاق و کردار اور خوش مزاج ہو کہ اس کی اَدا اور ایکٹنگ سے شوہر خوش ہو جائے چاہے شوہر قدرت کے فیصلے اور تقدیر سے ''توے کا پینڈا'' یعنی نہایت کالا کلوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ آجکل لڑکیاں اور بیویاں دوسرے کے گھر اور فنکشنوں، ڈیوٹیوں اور کسی پروگرام میں جاتی ہیں تو بن ٹھن کر زیب و زینت زیورات پہن کر انہیں ظاہر کر کے جاتی ہیں۔ لیکن جب شوہر کے پاس آتی یا رہتی ہیں تو گندی سندی، چڑیل بن کر، بالکل منہ بنائے، منہ پھلائے، شوہر کو جھٹکا کر بات کرتی ہے۔ مگر کسی سے گھنٹوں، گھنٹوں بات کرنے لگتی ہے اور شوہر اس کے سامنے ''اُلو'' بنے بلی کی طرح منہ تکتے بیٹھا رہتا ہے۔

یعنی شوہر کو وہ کوئی ریسپیکٹ دئے بغیر حاکمانہ انداز میں اس طرح رہتی ہے کہ گویا کہ یہ لڑکی ہی لڑکا ہے اور اس کا شوہر ہی اس کی بیوی ہے۔ شوہر بیوی کو حضور ﷺ اور اللہ کی اخلاقی ہدایات کو بتلاتا ہے تو اسے دین و شریعت سے کوئی مطلب نہیں ہوتا ہے اور غصے میں شریعت کے خلاف کہتی ہے ''میری مرضی''! کیسا بھی رہوں۔ تمہیں کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ! یہ سب لڑکی کی بداخلاقی ہیں۔

اسی طرح اس انشل میں یہی سب صفات اگر لڑکے کے اندر پائی جائیں تو بھی غلط ہیں۔ مثلاً لڑکا دیکھنے میں تو بھولا بھالا ہو، خاموش مزاج ہو، مگر گھُنّا ہو، بات بات کو دل میں رکھ کر اپنے ماں، باپ اور بہنوں کو پہنچا پہنچا کر ان لوگوں کی رائے مشورہ سے چلتا ہو، خوددار پہن کر کوئی کام نہ کرتا ہو، نا ہی بیوی سے ارجسٹ کرتا ہو، بیوی کو مفاد کے لئے زیادہ تنگ کرتا ہو، اس کی صحت کا خیال نہ کرتا، وقت کی نزاکت کو نہ دیکھتا ہو، اندرونی باتیں باہر جا جا کر شکایات کرتا ہو، چھوٹی چھوٹی باتوں کو بڑ بات بنا کر جھگڑے کی نوبت پیدا کرتا ہو، حاکمانہ انداز کو تکبرنہ انداز اور ظالمانہ انداز اختیار کرتا ہو۔ بیوی کو مارٹ پیٹ کرتا ہو، سختی کرتا ہو، بے ہنر ہو، کمال نہ رکھتا ہو، نوکری کے لئے لائق نہ ہو، دھوکہ دے کر شادی کر لیا ہو، جوڑے جہیز کی مانگ کیا ہو، لالچی ہو، بیوی اپنی بات اپنے والدین کو قسمت پر ایمان لا کر کچھ نہ بتائی ہو، لیکن شوہر بیوی کی باتوں کو اور مفاد کے موافق کام نہ ہونے کے سبب منہ چڑھائے، ساس سسرے سے بول بول کر یا پوچھنے پر اپنی سرخروئی والی باتیں کہ کر بیوی اور سالی اور سالوں کو لازم کرتا ہو، میاں بیوی دونوں کو اعتدال حالت وسو چویشن میں نہ رکھ کر زیادتی والی حالت پیدا کرتا ہو، تو لڑکے کی طرف سے یہ سب بھی غلط رویے اور بداخلاقی ہیں۔

تیسری نشانی: وَاِنْ اَقْسمتم عَلَیْھَاَ کہ ''اگر خاوند کسی (خاص اور جائز) بات پر قسم کھا لے تو تم! ایسا کرو کہ وہ (یعنی عورت کو ایسا رویہ اور سلوک کرنا چاہئے کہ وہ) اس کی قسم کو پورا کر دے۔ اسی طرح اس کے برخلاف بیوی بھی اگر کسی خاص اور جائز بات پر قسم کھالے تو مرد کو بھی اخلاق کا پہلو اختیار کرنا چاہئے اور جائز اور شرعی حکم کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔

چوتھی نشانی: وَاِنْ غَابَ عَنهَا نَصَحَتهُ فِیْ نَفسِهَا وَلِمَا لِهٖ کہ''خاوند جب گھر میں نہ ہوں تو اس کے مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرے۔حضورﷺ کی محفل میں دنیا کی بہترین عورت کے لئے مذاکرہ پر فیصلہ نہ ہونیکی صورت میں گھر میں حضرت فاطمۃ الزہرہؓ سے ذکر کیا کہ اس موضوع پر کوئی فیصلہ نہ ہوسکا تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ'' دنیا کی سب سے بہترین عورت وہ ہے جو نہ کسی دوسرے مرد کی طرف دیکھے اور نہ کوئی غیر مرد اس کی طرف دیکھے۔اس کے بعد حضرت علی پھر محفل رسولﷺ نے آکر حضرتﷺ سے حضرت فاطمہؓ کے اس قول کو نقل کیا تو حضرت رسول اللہﷺ نے فرمایا'' فَاطِمَۃُ بُضۃٌ مِّنِّی ''یعنی فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے''۔

اس جملہ کا مطلب ہے کہ''حضورﷺ نے حضرت فاطمہؓ کے بارے میں ان کے قول کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ''جس طرح میں سچ کہتا ہوں۔فاطمہؓ بھی چونکہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔اس لئے وہ بھی میری ہی طرح سچ کہا کہ ایسی ہی عورت دنیا کی بہترین عورت ہے۔''

خلاصہ یہ ہے کہ''شوہر کے حکم کے تابعدار،شوہر کے ہر حکم کے تابعدار وفرماں بردار،شوہر کے قسم کو پورا کر دینے والی،خاوند کے جان و مال اور عزت کی حفاظت کرنے والی'' چار صفات کا ہونا نیک عورت ہونے کی علامت ہے۔ان چاروں صفات میں سے تابعداری والی صفت کے بارے میں ایک دوسری حدیث میں مؤلف معارف القرآن نے نقل کی ہیں کہ''شوہر کے تابعدار بیوی کے لئے پرندے ہوا میں استغفار اور رحمت کی دعائیں کرتے ہیں اور مچھلیاں دریا میں استغفار کرتی ہیں،فرشتے آسمانوں میں استغفار کرتے ہیں اور درندے جنگلوں میں استغفار کرتے ہیں''۔

اسی وجہ سے حضورﷺ نے عورت کو اپنے شوہر کی تابعداری کرنے کے لئے یہاں تک تاکید اور وضاحت کرتے ہوئے فرماں دیا ہے کہ ایک نیک عورت اپنے شوہر کی اطاعت و تابعداری اتنی کرے کہ اگر وہ چولہے کے پاس روٹی(کھانا وغیرہ)پکا رہی ہو اور اسی عین وقت میں اس کا شوہر بلادے تو روٹی جل جانے کی فکر نہ کرے،پہلے مرد کے حکم کی تابعداری کرے اور فوراً اس کے پاس جاکر اس کی ضرورت اور حکم کی تابعداری کرے۔کیوں کہ روٹی جل جائے گی تو ،کھانا جل جائے گا تو دوبارہ پک جائے گا۔لیکن شوہر اور سرتاج کا دل روٹھ جائے گا تو زندگی بدنامی کا ہار پہنائے گی اور شادی کا مقصد''سکون اور خوشی'' ہمیشہ کے لئے چلے جائیں گے۔اس لئے شوہر کی تابعداری پہلے کرے روٹی کے جل جانے کی فکر نہ کرے۔

مگر نہایت افسوس کی بات ہے کہ آج کل عام آدمی کیا بڑے بڑے علمائے دین کے گھر کی لڑکیوں کے اندر حسن معاشرت اور اخلاق و دینداری نہیں پائی جاتی ہے۔موڈرن زمانے کی نقل معاشرت بری طرح ہو رہی ہے۔شادی میں ماں ،باپ ،خاندان اور بڑے بزرگوں کے مشورے اور اتحاد و اتفاق کا بالکل خیال نہیں کیا جاتا ہے۔اگر لڑکا اور لڑکی دونوں کہتے ہیں''میری مرضی'' سے شادی ہونی چاہئے۔کیوں کہ حدیث میں ہے کہ''لڑکی اور لڑکے بھی شادی سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھ لیں''۔اس لئے لڑکا لڑکی دونوں اپنے جوڑے کو ایک نظر دیکھنا واجب سمجھتے ہیں۔لڑکیاں جو رشتے کے بارے میں کبھی منہ نہیں کھولنے والی صفت کی ہوتی ہے۔مگر خاص طور سے آج کے لڑکے اور لڑکیوں کا موڈرن مزاج

ہونے کی وجہ سے مقدر کا نکاح ہو جانے کے بعد بجائے تقدیر پر ایمان لا کر صبر وتحمل کے ساتھ زندگی گذارنے کے اکثر لڑکیاں صاف صاف کہتی ہیں کہ ''میری مرضی کا لڑکا ہونا چاہئے''۔ مجھے یہ لڑکا پسند ہی نہیں ہے۔ میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی۔ اسی طرح اکثر لڑکے لوگ بھی اپنے من سے کہتے ہیں کہ ''میری مرضی'' کی لڑکی ہونی چاہئے۔ نیز عام آدمی بھی ایسے لڑکے اور ایسی لڑکیوں کا سپورٹ کر کے کہتے ہیں کہ آج کل کے حالات میں لڑکے لڑکیوں کو ایک دوسرے کو دیکھا دینا چاہئے۔

نیز حضورﷺ کی حدیث بھی پیش کر کے کہتے ہیں کہ حضورﷺ نے بھی تو فرمایا ہے کہ ''اگر لڑکی (یا لڑکا) اپنی پسند کا اظہار کر دے تو اسے نافرمانی نہ سمجھوں۔ اگر بچہ اپنی پسند کا اظہار کر دے تو اُسے نافرمانی نہ سمجھو اور اگر بچی (یا بچہ) اپنی پسند کا اظہار کر دے کہ میری یہاں شادی کر و تو اسے بے قدر، بے حیا نہ سمجھو!

لوگوں کا اس حدیث کو نقل کر کے لڑکے اور لڑکیوں کو ایک دوسرے کے دیکھنے بالکل آزادی دے چکے ہیں۔ یہ واضح رہنا چاہئے کہ اللہ اور ان کے رسولﷺ کے حکم قرآنی کے درجات اور سوچویشن کے ساتھ ساتھ دا ایک حکم اللہ کے دوری آیات واحادیث کے حکموں کو دیکھ لینا چاہئے۔ ایک وقت کے حکم کا دیگر آیات واحادیث کے حکموں کے حکموں کی روشنی میں معنی کبھی فرض کے درجہ میں، کبھی واجب کے درجہ میں، کبھی سنت ومستحب اور مباح کے درجہ میں ہوتا ہے۔

پیچھے بات گذر چکی ہے کہ جیسے قرآن مجید میں ایک حکم ''نماز'' کے بارے میں ہے'' لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ'' وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى''تم نماز کے قریب بھی مت جاؤ'' اس کے بعد'' وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى بھی ہے کہ ''جس وقت تم نشے کی حالت میں ہو''۔

اب اگر کوئی صرف اللہ تعالی کے پہلے جملہ'' لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ'' تم نماز کے قریب بھی مت جاؤ'' ہی کو پکڑ لے اور اعلان کرنا شروع کر دے کہ'' بھائیو! اللہ تعالی تو نماز پڑھنے کے لئے، بلکہ اس کے قریب بھی جانے سے منع کیا ہے۔ اس لئے نماز اُو ماز کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمام مسجدوں کو توڑ تاڑ دو'' تو یقیناً یہ غلط ہوگا۔'' لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ'' جملہ کا معنی اس وقت صحیح ہوگا، جبکہ اس کے بعد والے شرطیہ جملہ ''وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى'' یعنی نشے کی حالت میں نماز کو مت جاؤ'' کو جوڑ کر معنی بنائیں گے، تب صحیح معنی ہوگا کہ ''نماز تو فرض ہے ہی۔ کیوں کہ اس کے ادا کرنے کے لئے دیگر آیات و احادیث میں'' اَقِيمُوا الصَّلٰوة'' کا حکم بار بار آیا ہے۔ اس لئے اس فرضیت کے حکم کو باقی رکھتے ہوئے'' لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ'' کو اس کے بعد والے جملہ'' وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى'' سے ملا کر صحیح معنی بنائیں گے کہ ''نماز نشہ کی حالت میں پڑھنا تو دور کی بات! اس کے قریب بھی نہیں جانا ہے۔ کیوں کہ اس وقت عقل خراب ہوتی ہے اور اللہ سے مناجات کا کوئی معنی نہیں ہوگا۔

ٹھیک اسی طرح حضورﷺ نے لڑکے اور لڑکیوں کے شادی کے تعلق سے جو فرمایا ہے کہ ''اگر لڑکی اپنی پسند کا اظہار کر دے تو اسے نافرمانی نہ سمجھوں۔ اگر بچہ اپنی پسند کا اظہار کر دے تو اُسے نافرمانی نہ سمجھو اور اگر بچی اپنی پسند کا اظہار کر دے کہ میری یہاں شادی کر و تو اسے بے قدر، بے حیا نہ سمجھو!'' اپنے محل میں بالکل درست ہے۔ اس کے خلاف کوئی کہ ہی نہیں سکتا ہے۔ مگر یہ شادی سے پہلے کے سوچویشن کے لئے حدیث ہے۔ اسی طرح شادی کے بعد زوجین کے درمیان انتھک کوششوں کے بعد بھی نبھاؤ کی کوئی شکل نہ رہ جائے، تب کے سوچویشن میں بدرجہ مجبوری پیش کر کے دونوں کو

الگ کر دیئے جانے کے موقع سے ہے۔

مگر ایک جوڑے کے نکاحی عمل وجود میں آجانے اور شادی ہو جانے کے بعد فوراً اس حدیث کو بول بول کر ایک بندھے جوڑے کے مزاج کو خراب کرنا حرامی پن ہے۔اس لئے اس حدیث کا معنی شادی اور شریعت کے دوسرے حکموں خصوصاً" اطیعو اللہ، و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم "والے حکم ربانی کی طرف نظر کر کے بتایا جائے گا، تب، صحیح ہوگا۔اگر نکاح میں لڑکے اور لڑکیوں کے ایک دوسرے کے دیکھنے کی اس حدیث کے حکم میں اطاعت الٰہی، اطاعت رسول ﷺ اور "اولوالامر "لوگوں کی رائے مشورہ اور دفعہ الٰہی "وشاورھم فی الامر "یعنی اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اپنے خیر خواہوں سے مشورہ کرو" کے حکم کو چھوڑ چھاڑ کر بالعموم اور مکمل آزادی دے دیں گے تو پھر موجودہ زمانے کے موڈرن دور اور بگڑے حالات میں کوئی لڑکا اور کوئی لڑکی صحیح شریعت کے مطابق "دینداری" کو نکاح کے لئے معیار و مرکزی پوائنٹ "اخلاق و دینداری اور شرعی چال چلن" کو ہرگز نہیں بنائیں گے۔

آج کل انٹرنیٹ، انسٹاگرام، فیس بک وغیرہ کا زمانہ ہے۔انٹرنیٹ پر، فیس بک پر، انسٹاگرام پہ کسی اجنبی لڑکے اور لڑکیوں سے تعلقات کی بنیاد پر بے حیا، بے پردہ، بے لگام، شریعت کے خلاف چال چلن والے افراد، ہندو مسلم میں بلا فرق موڈرن شادی بیاہ، غنڈہ گردی، صرف سیکس کی خاطر نکاح کر کے مطلب نکل جانے کے بعد پھر دوسرے شخص سے سیکس رابطہ کر کے پہلی محبت والے نکاحی سلسلہ کو وکوئی نہ کوئی وجہ بنا کر چھوڑ دینا، جھوٹ بول کر مکمل مسلمان بن کر شادی کر کے، بعد میں عیسائی یا کوئی کافر شادی کر کے دین اسلام کو تبدیل کروانے کی چال و جال میں پھنسا دینا، یا پھر مفاد پورا کر کے لڑکی کے حسن و جمال سے فائدہ اٹھا کر قتل کر دینا، میڈیائی شکل و صورت والے حالات پیدا کر کے خاندان اور کل سماج کے عزت و وقار کو نیلام کر دینا، دیکھنے اجنبی حسین سے شادی کرنے کے بعد شرابی نکل جانا اور نشے میں چور ہو کر صرف اور صرف سیکس سے مطلب رکھنا، باقی اخراجات کے لئے لڑکیوں کو خود کمانے پر مجبور کرنا یا لڑکیوں سے ہی پیسے لانے کے لئے ضد کرنا، مار پیٹ کر جسمانی حالت کے چودہ طبقات کو روشن کر دینا وغیرہ موجودہ دور میں عام عادت ہو گئی ہے۔

بہت سے لڑکے والے بھی اور بہت سے لڑکے بھی لڑکی والے کو لڑکی کی خوبصورتی اور حسن و جمال اور کمال کو دیکھ کر اس سے مفاد و غرض حاصل کرنے کے لئے شادی کرتے ہیں اور اس کے لئے اپنے آپ کو کوچنگ کر کے، ٹیوشن کر کے بڑے بڑے اسکولس مثلاً علی گڑھ یونیورسیٹی، اور مولانا آزاد نیشنل یونیورسیٹی وغیرہ سے سرٹیفیکیٹ حاصل کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ بہت زیادہ ڈگری ہے اور بہت با صلاحیت ہے۔مگر جب اور یجنل اور معتبر یونیورسیٹی اور اسکولس اور کالجس میں انٹرویو ہوتا ہے تو ایل کے جی اور یو کے جی کے بچے کی طرح انگریزی میں ایک معمولی سوال کا جواب تک نہیں دے سکتا ہے۔لیکن دھوکہ اور من موجی پلاننگ کے مطابق اپنے روپے کے موافق کام کرنے کے لئے یہی محض اپنی تعریف اور ہوس کی غرض کو پورا کرنے کی خاطر سازش رچ کر معقول اور مقبول و پڑھی لکھی لڑکی سے شادی رچا کر مقصد حاصل کر کے پھر اس سے بغاوت کرتے ہیں۔ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں کہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔یہ سب غلط ہیں۔یہ سب من موجی اور میری مرضی کے غلط عقیدے کے موافق عمل کرنے کی وجہ سے ہی ہوتے ہیں۔

ایسے حالات اور دور میں کوئی نیک اور تعلیم یافتہ گھرانہ ہرگز مکمل طور سے اپنی اولاد کی "میری مرضی" اور خوشی" کے مطابق نکاح کر کے دینے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ بلکہ عزت دار اور باوقار خاص طور سے دینی علوم اور کتاب وسنت اور شریعت سے مکمل واقف حضرات یہی چاہیں گے کہ میں اپنی اولادوں کا رشتہ غریب سے غریب ترین لڑکے یا لڑکی سے کروں، یا بوکا اور ایک دم جاہل سے ہی کر دوں۔ منظور ہے۔ مگر لڑکے کی فطرت، چال چلن، عادت غلط نہ ہو۔ فضولیات میں برباد نہ ہوں۔ بدمزاج نہ ہو، شیطانی عملیات تاڑی شراب اور جوے باز نہ ہو۔ خفیہ پلاننگ کے موافق شادی کر کے بعد محض تھوڑے دنوں کے لئے ساتھ میں رہ کر پھر اپنی پلاننگ کے مطابق عمل کرنے والا نہ ہو، اسی طرح محض سیکس کر کے بجائے خود کما کر بیوی کو عزت سے پالنے کے بیوی ہی کی کمائی پر ٹیک لگانے والا نہ ہو، بلکہ وہ خود بیوی کو کما دھا کر پالنے پوسنے والا ہو۔

اس نظریے سے نیک والدین، سرپرستان اور گارجین لوگ اپنی اولاد کے فیوچر میں سکون کی خاطر اچھے اخلاق اور خوش چلن لڑکے لڑکیوں کا انتخاب کریں گے۔ اس معیار پر ملنے والا رشتہ کالا ہو یا گورا، گڈا، ناٹا ہو یا لمبا تر نگا، موٹا ہو یا دبلا پتلا، بہر حال! وہ کسی اور صفت کو نہیں دیکھتے ہیں۔ بس معیار نکاح "اخلاق کریمانہ اور بہترین عادات کے رشتے کو دیکھ کر کر دیتے ہیں۔

ایسے صحیح معیار کے ملے رشتے کو اگر لڑکے یا لڑکیاں اپنی کچی ذہنیت اور مستقبل سے غافل ہو کر "میری مرضی اور خوشی" کا ترانہ گائے تو ان کے اس ترانے کے ساتھ سرپرستوں اور گرجینوں کو ترانہ میں ساتھ نہیں دینا ہے۔ بلکہ زبردستی نیک فطرت کے رشتے کو کر دینا ہے۔ ورنہ لڑکیوں سے قطع تعلق کر کے حضرت نوحؑ کو جو حکم رب کائنات نے" انـه لـيـس من اهـلك' کے ذریعے سگے بیٹے کے ساتھ نہ دینے کے لئے جس طرح رب کائنات نے حکم فرمایا تھا، اور جس طرح قابیل کو ان کے والدین نے ان کے حال پر چھوڑ چھاڑ دیا تھا۔ چھوڑ چھاڑ دینا چاہئے اور اس حالت کو بھی اولاد کی تقدیر کا اور اس کے ذریعے اپنی بدنامی اور غم کو اپنی تقدیر کا حصہ سمجھنا چاہئے۔

ایسے موقع سے مری مرضی میری مرضی چلانے سے عین مرضی کی خوشی کوئی زبردستی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ اس لئے انسان کو قرآن مجید کے سورہ قمر کی آیت ۵۲" وَ كُـلُّ شـيءٍ فَـعَلُوهُ فِى الزُّبُرِ" کو پڑھ کر خیال کرنا چاہئے کہ "انسان جو کچھ عمل کرتا ہے وہ سب پہلے سے اس کے حق میں لوح محفوظ میں لکھ دیا ہوتا ہے"۔ اسی طرح یہ عقیدہ اللہ تعالی کے دفعہ سورۂ صفت کی آیت ۹۶" والـلّه خلقكم و ما تعملُونَ" پر ایمان رکھتا ہے کہ جس میں رب تعالی نے فرمایا ہے کہ "اللہ تعالی ہی تمہیں پیدا کیا ہے اور وہی تمہارے اعمال وحرکت کو بھی پیدا کیا ہے۔

اس کا صاف مطلب ہے کہ انسان وہی کرتا ہے جو اس کے رب کے ریموٹ کنٹرول سے کرایا جاتا ہے۔ اس لئے جو حالت اور عمل اس کے حق میں اسی کے ذریعے ہو چکا۔ وہ اس کی طرف سے نہیں تھا۔ بلکہ اس کے مقدر کے لکھے ہوئے کے مطابق رب تعالی کے حکم سے ہوا ہے۔ اس لئے ہو چکے عمل پر صبر کرے۔ اگر اس تکلیف میں اس نے صبر کر لی تو اس کا نام مخلوق کے نزدیک بھی اچھا ہو جاتا ہے اور خالق کے نزدیک بھی دارین میں قابل تحسین ہو جاتا ہے۔ اگر دنیا میں کچھ

تکلیف بھی ہوئی تو کوئی بات نہیں۔آخرت میں جو ہمیشہ کی آسانی ہوگی۔اسے حاصل ہوکر رہے گی۔
اسی طرح سورۂ فرقان کی آیت ۲/ ''خلق کُلَّ شئی فقدَّرہٗ تقدیرًا'' کہ ''اسی رب نے ہر چیز کو پیدا کر کے اسے مقرر شدہ اندازے پر کھا ہے۔اسی طرح سورۂ احزاب کی آیت '' وَکانَ امرُ اللّٰہِ قدرًا مقدورًا'' کہ اللہ کا کام مقرر شدہ اندازے پر ہے۔اسی طرح سورۂ قمر کی آ آیت ۴۹/ '' أنّا کُلَّ شیءٍ خلقنہُ بِقَدَرٍ'' کہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ہم نے ہر چیز کو اندازے یعنی ٹھیک تقدیر سے پیدا کیا ہے''۔
پس انسان کو اللہ کی طرف سے ان آیات کے موافق اپنی تقدیر کو ہر حال میں یاد رکھنا چاہئے ،اور اسی تقدیر واندازے کے اندر اس کا بھی حال موجود تھا۔اس لئے جو ہوا سو ہوا''۔اپنے ہوئے حالات کو خیال کرنا چاہئے اور اس پر ایمان لانا چاہئے اور جو مقدر میں تھا وہ ہو چکا۔اس لئے اپنا اختیاری عمل ایسا کرنا چاہئے کہ جس میں نام خراب نہ ہو۔بلکہ نام اچھا مشہور ہو اگر چہ اندرون خانہ اور فی نفسہ ذاتی طور پر تکلیف ہی میں کیوں نہ ہو۔یہ صبر کا اعلیٰ ترین سوچویشن ہے۔اس صورت حال میں ایک دن مصیبت آسانی اور خوشی میں تبدیل ہونے کی شکل خود بخود ہو جاتی ہے۔
پیچھے احادیث وآیات کی روشنی میں واضح کر چکا ہوں کہ نیک اولاد کا کام ہے کہ اگر والدین نے مرضی کے خلاف ناپسند رشتہ کر دیا تب بھی والدین کے کئے اس رشتہ کو باقی رکھ کر تقدیر کا حصہ سمجھنا چاہئے اور میاں بیوی کے درمیان اور شادی کرانے والے گارجین ،والدین اور دیگر رشتے دار حضرات کے ساتھ ماحول کے موقع سے شرعی حکم کے مطابق تعلق اور اخلاق رکھنا چاہئے۔ایسے جوڑے کو رشتے دار لوگ بھی رشتہ باقی رکھنے والا سوچویشن پیش کرنا چاہئے۔
یہ تو بہت افسوس کی بات ہے کہ آج بہتیرے ایسے زبردستی کے رشتے کے جوڑے کے درمیان خاص الخاص لوگ لڑکے کو لڑکے اندر کی ،اور لڑکی کو لڑکے کے اندر کے قدرتی عیبوں کو تلاش تلاش کر کے بتا بتا کر ایک دوسرے کے دلوں میں نفرت کی بیج بوتے ہیں اور گھر اجاڑنے کے لئے آگ لگا رہے ہیں۔حالانکہ وہ مسلمان ہوتے ہیں۔وہ بحیثیت مسلمان کے بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو مؤمن اور بالخصوص میاں بیوی کے درمیان بیزاریت اور ایک دوسرے کے منہ پھیر لینے اور اختلاف ہو جانے کی صورت میں صلح کرانے کا حکم دیا ہے۔
''اعلام الموقعین'' کتاب ص:۸۹/ پر کئی صحابیوں کے درمیان حضور ﷺ کے صلح کروانے کا ذکر ہے۔ان صحابیوں میں سے حضرت عمرؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپؓ نے فیصلے میں جلدی بازی کرنے کے بجائے جھگڑنے والوں کو آپس میں صلح کر لینے کے لئے حکم دیا ہے کہ فیصل سے عموماً جان بوجھ کر اور بسا اوقات درحقیقت طرفین میں سے کسی کا دل پھٹ جاتا ہے۔(مگر یہ عیب تلاش کر کے سامنے رکھنے والے لوگ عیبوں کو بتلا کر بس فوراً ججمنٹ اور فیصلہ ہی سنا دیتے ہیں۔جس سے رشتے میں اور گھروں میں بےچینی کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے)۔
اس لئے قاضی اور کسی بھی تیسرے شخص کو کبھی بھی سامنے سامنے ایسی ایسی باتیں کرنی ہی نہیں چاہئے ،جن سے اختلاف کی صورت پیدا ہو جائے۔بلکہ جہاں تک ہو سکے دو مختلف ذہنوں کے درمیان خصوصاً میاں بیوی کے جوڑے میں اگر کچھ کشیدگی ہوں تو اسے ختم کرنے والی باتیں اور رویے پیش کرتے ہوئے بجائے توڑنے کے جوڑنے کی باتیں کی

جائیں۔اس کے لئے ایک دوسرے سے متعلق شرعی اور واجبی حقوق بتلانی چاہئے۔
اعلام الموقعین ص:۹۰ ر ہی پر لکھا ہے کہ ''حق'' دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک ''اللہ'' کا حق ہے۔دوسرے: انسان کا حق۔اللہ کے حق کو ''حقوق اللہ'' کہا جاتا ہے۔انسان کے حق کو ''حقوق العباد'' کہا جاتا ہے۔انسانی حق میں بھی دو قسم کے حقوق ہیں۔ایک تو وہ حق ہے کہ جس میں مصالحت اور سمجھوتہ ممکن اور جائز نہیں ہے۔جیسے (گناہوں اور ثابت شدہ جرموں میں سزا پانے والوں کے لئے منجانب اللہ مقرر کردہ) حدیں یعنی سزائیں۔
اسی طرح نماز، روزہ، حج مالداروں پر حج، زکوۃ، کفارے (اور جملہ فرائض) یعنی وہ کام جنہیں اللہ نے ہر حال میں کرنے کے لئے حکم دی ہیں۔اسی طرح تمام واجب چیزیں۔ان حقوق میں مصالحت اور سمجھوتہ جائز نہیں ہے۔پس اگر کوئی سمجھوتہ کرنا چاہے کہ اس سال روزہ معاف کردیا جائے، اور بعد میں اس کی قضاء بھی نہیں کروں گا تو یہ سمجھوتہ جائز نہیں۔اسی طرح روزہ، نماز وغیرہ کے بارے میں حکم سخت ہیں۔بلکہ ان فرائض میں مصالحت کروانے والوں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔دوسرے: واجب اور فرائض احکامات کے علاوہ حقوق جو سنت، مستحبات اور پسندیدہ وغیرہ کے قبیل سے ہوں۔اس میں سمجھوتہ اور مصالحت افضل ترین عبادت ہے۔
اگر کوئی فرد یا ایک جماعت کسی پر ظلم کرے تو پھر حد سے تجاوز کے سوچویشن میں جس پر ظلم کیا جاتا ہے، اس کو اللہ ہی کا حکم ہے کہ وہ ظالم سے جنگ کرے اور اپنا دفاع کرے۔کیوں کہ ظالم صلح کی پالیسی پر قائم نہ رہا تو اب اس کا وقت بھی نہ رہا۔اس لئے ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کی مدد کرنا، ظالم کے لئے بھی عذاب سے بچانے کی اور مظلوم کا بھی عدل کے ساتھ تعاون کرنے کی صورت ہے۔
لیکن یاد رہے کہ جو صلح حرام کو حلال کرے اور حلال کو حرام کرے۔جیسے کہ جن عورتوں سے حرام عورتوں حلال کے سرکل میں آجاتی ہوں، یا فرائض اور واجبات کا درجہ گھٹ جاتا ہو یا ان پر عمل کرنا ممکن نہ ہوتا ہو، جیسے نانی ماں بہن سگی سے نکاح کرنا، ایسے ہی نماز نہ پڑھنے کی صورت والی صلح جیسے کہ آج کل دل کی نماز پڑھنے کے لئے بہت سے ڈھونگی پیر اپنے مریدین کو دیتے ہیں تو یہ حرام ہے۔اس لئے جھگڑے اور نا اتفاقی کی صورت میں جائز اور عدل والی صلح وہ ہے، جس میں اللہ تعالی کی مرضی اور خوشنودی پائی جائے۔الٰہی قوانین کے تحت انسانی فیصلے میں حق فیصلے سے جو انسان خوش نہ ہو اور ناراضگی کا اظہار کرے تو وہ انسان غلط ہے۔اس پر شیطانی اثرات یا کسی بگاڑنے والے شیطان فرینڈ اور دوست لوگوں کا ہاتھ ہے۔
اعلام الموقعین ص:۹۲ ر پر ہے کہ ''حضور ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ ''اولاد'' بخیل بنانے والی اور نامرد بنانے والے کے ساتھ ساتھ بے رحمی بھی ہے۔اسی طرح ایک ''اثر'' (حدیث کی ایک قسم) میں ہے کہ اولاد باعث ہوتی ہے بخیلی اور نامردی کی۔امام شافعی اور امام محمدؒ کے اقوال مؤلف کتاب نے پیش کی ہیں کہ ''حضور ﷺ نے اولاد کے بارے میں حکم فرمایا ہے کہ ''تم اور تیرا مال سب تیرے باپ کے ہیں''۔
واضح رہے کہ مال اور بیٹا دونوں جدا جدا چیزیں ہے۔بالغ ہونے کے بعد اولاد خودمختار ہو جاتا ہے۔اس پر اللہ کے حکم نافذ ہو کر خود کئے کے عذاب اور سزا کا وہ خود ذمہ دار ہو جاتا ہے۔اس لئے نسبتا تو بیٹا یقیناً باپ کا ہی ہے، مگر شرعی

قوانین کی خلاف ورزی میں بیٹا باپ کے ہونے کے بعد بھی اگر قانون کے خلاف کرے اسے تو عذاب دیا جائے گا۔اسی طرح وہ اگر نیکی اور خوشی کا کام کرے گا تو ایوارڈ وانعام دیا جائے گا۔اسی طرح اولاد کے مال کا بھی حال ہے کہ ''اولاد'' مال خود کمائے تو حقیقت اور درایتاً دونوں نسبتوں سے وہ مال کمانے اور محنت کرنے والی اولاد ہی کا ہے۔پھر حضورﷺ نے بیٹے کے کمائے مال کے بارے میں کیوں کہا کہ یہ بھی باپ ہی کا ہے۔اس کا مطلب ''اللہ کے حکم اور قانونی دفعہ ''اطاعت الٰہی'' کے سرکل'' اطیعو اللہ،و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم ''یعنی پہلے اللہ کے ''حکم'' اس کے بعد اس کے قانون کو پریٹیکلی طور پر سمجھانے والے رسولﷺ کے حکم،اس کے بعد شریعت کے سرکل میں حکم کرنے والے باپ اور ماں اور ہر صاحب الرائے اور بڑے کے حکم کے اندر میں رہنے کے لئے حکم دینا ہے۔

اسی کی وضاحت حضورﷺ نے اولاد کو کی ہیں کہ ''تم اور تیرے مال سب تیرے باپ ہی کے ہیں۔اس لئے،تُو، اُن کی الٰہی قانونی باتوں کے سرکل سے باہر نہیں جا کرنا فرمانی نہیں کرسکتا ہے۔یعنی ان کی شرعی رائے کے خلاف اپنی کوئی رائے پیش نہیں کرسکتا ہے۔اس لئے ان کے سامنے کوئی غیر شرعی رائے پیش ہی مت کر کے،اس کے لئے ضدمت کرو۔ اگر باپ کی شریعت والی رائے اور مرضی کے خلاف ضد کرو گے اور کہو گے کہ یہ میری مرضی سے نہیں ہوا تو تم غلطی پر ہو۔کیوں کہ اس جملے سے'' اطیعو اللہ،و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم '' کی مخالفت کے سبب تین گناہ ہو رہے ہیں۔پہلا گناہ:تو ''اللہ کے حکم کی مخا مخالفت کا گناہ ہو رہا ہے۔جس سے خود اپنے خالق اور مالک کو ناراض کرنا ہے۔دوسرا گناہ:اس خالق کے بھیجے ہوئے رسول حضرت محمدﷺ کے الٰہی حکم کی مخالفت کا گناہ ہو رہا ہے۔جس سے رسولﷺ بھی ناراض ہو رہے ہیں۔تیسرا گناہ:اللہ اور رسولﷺ کے حکم سے جڑے شرعی روشنی کی میں اور اپنے بڑے بزرگ کی پچھلی زندگی میں ہوئے تجربے اور نفع ونقصان کو دیکھ،سن،اور سمجھ کر دی جانے والی مناسب رائے اور حکم کے خلاف کرنے سے باپ اور ماں اور بڑے بزرگوں کی ناراضگی مول لینے کا گناہ ہوتا ہے۔جس سے گھر،سماج،محلے اور جانے پہچانے والے لوگوں کے اندر تمہارا نام اور تمہارے مرضی اور من موجی کی ضد کے سبب تمہاری حیثیت،واخلاقی چھاؤں کا غلط اثر پڑ رہا ہے۔پھر تن تنہا کہاں تمہارا ٹھکانہ ہوگا۔جس طرح غدا سے دشمنی کر کے نہ کھانے والا مر جائے گا۔ہوا،پانی اور دیگر ضروری چیزوں سے دور رہنے والا مر جائے گا۔اسی طرح اللہ،رسولﷺ اور تجربہ کار،بڑے بزرگوں کے سرکل سے الگ رہنے سے کوئی حیثیت اور امیج تمہارا نہیں بن پائے گا۔

اس لئے حضورﷺ نے ''اولاد'' کو باپ اور ماں کی صحیح تربیت اور شرعی حکم مان کر چلنے اور رہنے کے لئے فرمایا کہ ''تو اور تیرا مال سبھی تو تیرے باپ ہی کے ہیں تو پھر کیوں کہتا ہے کہ ''میری مرضی سے فلاں کام نہ ہوا''!یہ مت کہو۔بلکہ یہ کہو کہ ''اللہ،رسول اور شریعت کے مطابق رہنے اور کہنے والے بڑوں کے حکم کے مطابق یہ کام ہوا۔یا نہ ہوا''۔اگر ''یہی کہتے رہے کہ ''یہ کام میری مرضی سے نہیں ہوا'' تو تیری میموری پاور محدود اور ''لو'' بیٹری کی طرح ہے۔جسے اس کے استعمال کی جگہ سے باہر کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح جاننا چاہئے کہ ''عمر'' کے لحاظ سے عقل کی طاقت اور اس کی سمجھ کا ایک خاص ''سرکل'' ہوتا ہے۔جتنی

عقل میں طاقت ہوگی اور جتنا اسپیس ہوگا۔ اتنی دور تک سمجھ ہوگی۔ اسی طرح فُل طاقت ور بیٹری کو اگر ٹارچ میں سیٹ کردی جائے گی تو اس کی طاقت کے موافق دور تک اچھی طرح روشنی جائے گی۔ اسی طرح عمر کی پختگی کی وجہ سے زمانے کے اتار چڑ ؤ، نشیب وفراز کے ساتھ راہ کو طے کر کے مصیبتیں جھیلی ہوگی۔ وہ اپنے تجربے کی روشنی میں چھوٹوں کی عقل کے مقابلے میں زیادہ دور تک سمجھ کر حکم دے گا۔ اس لئے تجربہ کار والدین کے شرعی حکم کو مان کر چلنے ہی میں عزت اور خوشی و بھلائی ہوگی۔

اسی لئے حضورﷺ نے والدین کے بارے میں حدیث بیان فرمادی ہیں کہ'' والدین کی خوشی میں اللہ کی خوشی ہے اوران کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔ یعنی والدین اگر شرعی دائرے میں ناراض ہیں تو پھر تم سے اللہ بھی یقیناً ناراض ہوں گے۔ اس وقت تمہارا کوئی نیک عمل قبول نہیں ہوگا۔ اس لئے پہلے والدین کی اطاعت کرو۔ جیسے ہی والدین کی اطاعت کروگے۔ فوراً اللہ بھی راضی ہو جائے گا۔ جیسے ہی اللہ راضی ہو جائے گا۔ ویسے ہی تمہارا نیک عمل سب قبول ہو جائیں گے۔

جہاں تک والدین کے بحثیت انسان گناہ والے عمل کے وقت اطاعت کی بات ہے تو اس جگہ ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔ کیوں اللہ تعالی کے قانون'' اطیعو اللہ،و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم '' کے اندر پہلے اللہ کی اطاعت کا حکم ہے۔ اس لئے یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ جس طرح اس حکم کے اندر ترتیب فرض ہے۔ یعنی پہلے اللہ کی ماننی ہے۔ اس کے بعد رسولﷺ کی ماننی ہے۔ اس کے بعد تیسرے نمبر بڑوں اور سرپرستوں یعنی والدین، ساتذہ، رائے دینے والے بڑے بزرگوں کی بات ماننی ہے، اسی ترتیب سے اگر ان تینوں کے اندر ٹکراؤ ہو جائے یعنی اللہ کے حکم سے رسول کی بات اور بڑوں کی بات ٹکرا جائے، اسی طرح رسولﷺ کی بات سے بڑوں کی بات ٹکرا جائے یا اللہ کی بات سے بڑوں کی بات ٹکرا جائے تو جس ترتیب سے اس قانونی آیت ودفعہ میں حکم ہی اسی ترتیب سے حکم مانا جائے گا۔

یعنی بڑے کہ رہے ہیں کہ چھوڑ و نماز مت پڑو۔ چلے گا۔ تو یہ حکم اللہ اور رسول دونوں سے مقابلے میں ہے۔ اس لئے بڑے کی بات کو چھوڑ کر اللہ کے حکم کو مانیں گے اور نماز ہر حال میں پڑھیں گے چاہے، والدین سے جنگ کرنی پڑے تو کی جائے گی۔ والدین سے'' جنگ'' کا معنی تیر تلوار، کدال لے کر دوڑا دوڑی کر کے جنگ بدر لڑنی نہیں ہے، بلکہ ان کی حیثیت عرفی اور والدین کی شان کا لحاظ رکھ کر ان کی دنیاوی تمام ضروریات کو پورا کرتے ہوئے ان کی غیر شرعی اور اللہ کے قانون کی مخالفت والی بات ہرگز نہیں مانی جائے گی۔ اسی طرح ہر اچھی اور شرعی اور سکون والی اللہ والی رائے کے مقابلے میں اور رسولﷺ کے مقابلے میں بڑے، گارجین اور سرپرستوں کی اللہ کی اور حسن معاشرت والی بات چھوڑ دی جائے گی۔

جیسے کسی کے والدین جاہل ہیں۔ ان کے گھر میں انہوں نے محنت ومشقت سے اولاد کو پڑھا لکھا کر عقلمند اور اچھی اور سکون دینے والی رائے دینے والا بنادی تو ان والدین کو اپنے ماں اور باپ ہونے کے غرور میں یہ نہیں کہنا چاہئے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ مجھ سے چھوٹا ہے۔ یہ ہر حال میں میرا ہی حکم مانے گا۔ چاہے وہ اللہ کے خلاف ہو اور رسولﷺ کے خلاف ہو یا کہ کسی بھی فرض سے ٹکرائے،، یا نقصان ہو یا کہ نفع ہو یا کہ فائدہ ہو یا نہ ہو، تو یہ بالکل غلط بات ہے۔

ایسے والدین کو اپنے بیٹے کے حکم الٰہی والی رائے اور حسن معاشرت والی رائے کو ماننا فرض اور ضروری ہے۔ یہاں پر مصالحت اور کوئی سمجھوتہ نہیں چلے گا۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ پیغمبر ہونے کے باوجود ان کے اپنے باپ، ماں کے خالص دین اسلام کی تعلیم و تربیت اور اللہ کے حکم کے نہ ماننے کے سبب ماں باپ کو چھوڑ کر آبائی وطن ''عراق'' سے ہجرت کر کے ''فلسطین'' میں جا کر بس گئے۔ یہ باپ ماں کے شرکیہ کام کے سبب ہی کئے۔ ان کا ماں باپ کو چھوڑ دینا شرک کے سبب جائز ہی نہیں فرض تھا۔ اس لئے کیا۔ ایسے اور بہت سے واقعات و شہادات ہیں۔ اس لئے یہ صحیح ہے کہ ماں باپ کی غیر شرعی بات نہیں مانی جائے گی۔

مگر آج کل شادی بیاہ کے معاملے میں اکثر مسلمان لڑکے اور لڑکیاں، پڑھے لکھے، دیندار اور پاسٹ، فیوچر اور پرزنٹ کے حالات پر اچھی طرح علم کی روشنی میں نظر رکھنے والے، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور بڑے بزرگوں اور خاندان و سماج میں اچھی امیج والے اسی طرح باصلاحیت والدین اور سرپرستان حضرات کی شرعی صحیح رائے کو نہیں مان کر کھلم کھلا موڈرن اور عیسائیت و انگریزیت کلچر تہذیب تمدن میں پلنے، بڑھنے کے سبب کہتے ہیں کہ '' شادی بیاہ میری مرضی سے ہو''۔

''مرضی'' میں ہر لڑکے اور ہر لڑکی کی خواہش ہوتی ہے کہ میرا جوڑا '' خوبصورت سے خوبصورت ترین ہو، انگریزی اسپیکنگ والا ہوتا کہ نوکری کہیں بھی کمپنی وغیرہ میں غلامی کی زندگی گذار سکتا ہو، شرٹ پینٹ اور بیلٹ و ٹائی پہن کر انسرٹ کر کے برطانیہ اور امریکہ کے صدر و سیکریٹری کی طرح چشمہ لگا کر بڑا ڈان اور بوس ہو، ہو، اپنا خاص گھر لینے والا ہو۔ من پسند کھاتا پیتا اور کھلانے پلانے والا ہو، موج و مستی میری مرضی کے موافق کرنے والا ہو، مول و جدید مارکٹ میں جا جا کر خوب حقہ، وغیرہ پی پا اور پلا اولا کر فوٹو اوٹو لے لا کر انگریزیت تہذیب کو بڑھاوا دینے والا وغیرہ وغیرہ ہو''۔

لیکن چونکہ ان خواہشات کے موافق رشتہ جلدی نہیں ملتا ہے، اس لئے آنے والے رشتے میں خواہش کے مطابق نہ ہونے کے سبب کوئی نہ کمی دیکھنے سے ریجیکٹ کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح لڑکیوں اور لڑکے کی صحیح عمر ضائع ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ من پسند رشتہ تو نہیں ملتا! مگر میاں بیوی کے رشتے سے ہونے والی فطری خوشی کا وقت گذر چکا ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ موسمی پھل مثلاً '' آم'' و جام'' وغیرہ کے کھانے کے وقت میں کوئی نہ کھائے اور جب موسم ختم ہو جائے تو اس کو کھانے کے لئے بازار بازار پھرتا رہے۔

بتلایئے! خدانخواستہ اسٹاک گودام سے مل بھی جائے تو جوان پھلوں کے کھانے کے وقت میں مزہ ملتا تھا، وہ مزہ مل سکتا ہے۔! ہرگز نہیں! اکثر تو سڑ کر بے کار ہو چکا ہوتا ہے۔ جسے کیمیکل اور انسانی دماغی ترکیب سے محفوظ کیا گیا ہو۔ اس میں موسم کے بر وقت مزہ والا پھل نہیں ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ ہر چیز کے لئے تین اوقات ہیں۔ '' ابتدائی یعنی بچپنا، اس وقت میں چیز پلتی، بڑھتی ہے۔ دوسری درمیانی اور متوسط، اس وقت میں چیز استعمال یعنی یوز کرنے کے لئے صحیح وقت میں ہوتا ہے۔ تیسری چیز'' سڑاپن اور گندہ'' ہو جانے کے مومنٹ والا وقت، اس وقت میں اس کے استعمال کے صحیح وقت نکل جانے کے سبب سڑاپن اور بدبودار بدمزہ حالت یعنی موڈ میں چیز ہو جاتی ہے۔ اس لئے انسان کو شادی بیاہ میں بھی

متوسط اور صحیح وقت اور عمر کی قدر کرنی چاہیئے۔

دنیا کے جتنے والدین اور سرپرستان حضرات ہیں۔سبھی اپنے پچھلی زندگی کے تجربے اور شریعت دونوں روشنی میں صحیح اور پرسکون رشتہ تلاش کرتے ہیں۔جس میں ایک صحیح نظام معاشرت قائم ہوسکے۔دنیا کے عقلمند ترین انسان خصوصا مسلمانوں میں سے شریعت کے موافق صحیح مزاج رکھنے والے لوگ کتاب وسنت یعنی قرآن واحادیث کی روشنی میں صحیح رشتہ''بااخلاق،صحیح مزاج والا دیندار'' شخص سے''رشتہ'' جوڑنے کوتلاش کرتے ہیں۔اس مقصد کے لئے وہ کالا،گورا،ناٹا لمبا،ایجوکیشن،زبان یعنی لنگویج وغیرہ سبھی چیزوں کودوسرا درجہ دیتے ہیں۔پہلا درجہ حضورﷺ نے جوشادی کے رشتہ کے لئے معیاراورمرکزی اوراصلی پوائنٹ یہی''بااخلاق،صحیح مزاج والا دینداری'' کوقراردی ہیں۔اس کودیتے ہیں۔

لیکن اولاد،اوردنیاوی مزاج خصوصا یہودیت وعیسائیت کلچر ومزاج کے رشتے کوڈھونڈتے ہیں۔والدین اپنے شرعی مزاج کے رشتے لاکراولاد کوجب دیکھاتے ہیں تواولاداس میں کوئی نہ کوئی عیب نکال کر''اچھانہیں ہے'' کہ کر ریجیکٹ کردیتی ہے۔کبھی''ہونٹ کالا ہے،بول کر رشتہ چھوڑا جاتا ہے۔کبھی نہایت کالا ہے بول کر رشتہ چھوڑا جاتا ہے۔کبھی بہت گڈا،ناٹا اورموٹا اورنہایت پتلا وَلاغر بول کر رشتہ چھوڑا جاتا ہے۔کبھی آنکھیں دیکھ کرخوف کھا کر رشتہ چھوڑا جاتا ہے۔کبھی ہونٹ موٹا ہے۔ڈراوٗنی صورت کا ہے بول کر،کبھی لمبائی دیکھ کر،کبھی ناک چھوٹا،بڑا اور پچکا دیکھ کر،کبھی لینگویج اورزبان خاص طور سے انگریزی اسپیکنگ نہیں آتی ہے۔اسلئے رشتہ چھوڑا جاتا ہے۔کبھی تعلیمی لیاقت اورصلاحیت کی کمی کودیکھ کر رشتہ چھوڑا جاتا ہے۔کبھی خوبصورت نہیں ہے بول کر رشتہ چھوڑا جاتا ہے۔کبھی مولی،عالم اورشرعی لباس دیکھ کر رشتہ چھوڑا جاتا ہے۔کبھی رہنےسہنے کی شرطاشرطی پر رشتہ چھوڑا جاتا ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

یعنی والدین اور بڑے اپنی ذمہ داری نبھانے کے لئے سرگرداں اور پریشان ہوکرکوشش کرکر کے صحیح رشتے تلاش تلاش کرلاتے اوراولادوں کودیکھاتے رہتے ہیں،ادھراولاداپنے مطلوب ومراد کے موافق پوائنٹ کے نہ ملنے یااپنی تمام چاہتیں ایک ہی شخص کے اندرنہ پانے کےسبب،ایک نہ ایک عیب نکال نکال کرآئے رشتہ کوچھوڑ چھوڑ کرعمر ضائع کرتی رہتی ہے۔یہاں تک کہ شادی کی عمر زیادہ ہوجاتی ہے۔یعنی ہر رشتے میں عیب ہی عیب نکالے جاتے ہیں۔یہاں تک کہ شادی کے لئے دھارمک اوردنیاوی وقانونی ہراعتبار سے صحیح عمرختم ہوجاتی ہے۔اب رشتہ آنا بھی بند ہوجاتا ہے۔پہلے رشتہ کوریجیکٹ کیا جاتا تھا۔اب دوسرے لوگ رشتے اس کےریجیکٹ کرنے لگ جاتے ہیں۔اب کہا اورسنا جانے لگتا ہے کہ عمر بہت زیادہ ہے۔بہت بوڑھی ہے۔بہت بوڑھا ہے۔پیٹ بہت بڑھا ہوا ہے۔نوکری نہیں ہے۔کلی مزدوری کرتا ہے۔میرا شوہر کلی مزدوری والا ہونا کیا!یا میری بیوی مزدوری کرنے والی ہونی کیا!

چنانچہ سیکسی جذبات وضرورت کوپورا کرنے کے لئے لڑکے اورلڑکیاں اب گناہ کا خفیہ رُخ کرتے ہیں۔بربادقسم کے لوگ زنا،بدتمیزی،،فحاشی کا بازار گرم کرتے ہیں۔بلکہ اب تو یہ جسمانی خریدوفروخت بھی ایک تجارت سی بن گئی ہے۔معصوم چودہ چودہ اوراس سے بھی کم عمر کی لڑکیاں حاملہ ہوہوکرصحیح نظام معاشرت کوبدترین معاشرت میں تبدیل کررہی ہیں۔اس طرح بہت سی اخلاقی بیماریاں سماج اورملک میں پیدا ہوچکی ہیں۔انہی اخلاقی برائیوں کودورکرنے کے

لئے اور ایک نیک اور صالح معاشرت کی تشکیل کے لئے سرورکائناتﷺ نے نکاح کے لئے حقیقی اور اصلی پوائنٹ اور مرکزی معیار ''اخلاق مند، اور صحیح النسل و صحیح کردار'' والے دیندار جوڑے جوڑنے کے لئے مشورہ دیا ہے۔

چنانچہ صحیح والدین اسی اخلاقی کردار کی طرف نظر کرتے ہوئے اچھے اور با اخلاق گھرانے میں، اچھے خاندان والے گھرانے میں اللہ کے حکم کے مطابق نکاح کی بات کردی یا بچوں کی کم عقلی کی طرف نظر کرتے ہوئے زبردستی نکاح کردی تو گھر میں چھوٹے اور محدود عقل والے یہ بچے اور بچیاں جنگ کا ماحول پیدا کردیتے ہیں۔ جبکہ والدین کی فکر کے مطابق یہی نکاح اس کی زندگی کے سکون کے لئے صحیح ہوتا ہے۔ کیوں کہ شادی کے لئے پختہ عمر، سائلینٹ مزاج، اچھے رہن سہن، عبادت والے مزاج اور اچھے خون و خاندان ہی ضروری ہے۔

آج موبائل اور انٹرنیٹ کی دنیا نے جہاں دنیا میں ترقی کروا کر دنیا کو اپنی مٹھی میں کرلی ہیں۔ وہیں محلّہ، سماج بلکہ گھر گھر میں بڑی تیزی کے ساتھ اخلاقی گراوٹ اور برائیاں بھی پھیلا دی ہیں۔ بس فون پر بے جانے پہچانے اجنبی لڑکے لڑکیوں سے بڑے بڑے جھوٹے وعدے وعید و خواب دیکھ دکھا کر ہندوستان سے پاکستان اور پاکستان سے ہندوستان کا پیار والا سفر کر کے گھر، خاندان، سماج، بلکہ ملک کو بھی بڑے ڈھیٹائی کے ساتھ بدنام کر رہے ہیں۔ میڈیا والے اس طرح کے کیسیس کو مفاد، مال وزر اور اپنی زبان وحیثیت و ناموری کے لئے، بجائے پردہ ڈال کر بند کمرے میں اس طرح کے کیسیس کو حل کرنے کے، اندر اندر سے اچھال اچھال کر دونوں طرف سے بس ملک و سماج میں انتشار کا ماحول پیدا کر رکھا ہے۔ بلکہ اس طرح کے کیسیس کو با ضابطہ حکومتی سطح کے لوگوں کو خرید و فروخت کر کے، اپنی تجارتی والی حکمرانی کی کرسی کو حاصل کر رہے ہیں۔

اس لئے ایک نیک و پرسکون طرز معاشرت کے لئے ''اولوالامر'' کی ماتحتی میں نہایت بہترین حدیث و دفعہ ''انت و مالك لابيك '' بیان فرما کر، تربیت کرنے کے لئے اصول بتلا دی کہ الٰہی سرکل میں ''اولاد'' اور اس کا سب کچھ اس کے باپ کا ہی ہے۔ اس لئے اپنے نیک و شرعی مزاج رکھنے والے والدین و سرپرستان کے حکم کی کسی بھی حال میں مخالفت کر کے کوئی بھی اولاد خواہ بچے ہوں یا بچیاں، محض اپنی ہی مرضی ہرگز چلا کر کوئی کام خصوصاً شادی بیاہ کر کے اپنی مستقبل کی زندگی کو خطرے میں نہ ڈالے۔

اس لئے '' اطيعوا الله، و اطيعو الرسول و اولى الامر منكم '' کی ترتیب حکم کے ساتھ ہر چھوٹے اور ناتجربہ کار کچے ذہن کے بچے بچیوں کو پہلے ''اللہ'' کی اس کے بعد '' رسول اللہﷺ '' کی اور اس کے بعد ''اولوالامر'' یعنی والدین، ٹیچرس، اپنے سرپرستان اور ہر صاحب الرائے کی اطاعت و فرماں بردار بن کر ان کی تجربہ کار اور شرعی رائے مشورہ کی روشنی یا پناہ ہر کام اور خاص طور سے نکاح کا کام کرنا چاہئے۔

اس بات کو حقیقت جاننی چاہئے کہ '' اطيعوا الله، و اطيعو الرسول و اولى الامر منكم ''یعنی والدین، ٹیچرس، اپنے سرپرستان اور ہر صاحب الرائے کی اطاعت و فرماں برداری کوئی قیدی کی صورت نہیں، بلکہ آزادی کے ساتھ نیک اور پرسکون زندگی گذارنے کی صورت ہے۔ صحیح قید کا فالو کرنا صحیح آزادی اور خوشحال زندگی کے

لئے پروف ہے۔قانون کے خلاف جودل کہا جومن کہااس پر چلنا نقصان دہ ہے۔پھراگر ''آگ'' سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو اس آپ جل نہ جائے ،اس کے تمام احتیاطی تدابیر کو خیال رکھنا پڑے گا۔ یہ احتیاطی تدابیر کا خیال رکھنا قیدی اور قابل اعتراض چیز نہیں ہے۔

اسی طرح ایک گھر کے خوشحال معاشرت میں رکھنے کے لئے چندضروری اورمناسب قاعدے قانون بنانا اوران پرعمل کرنا،ان کو فالو کرنا قیدی اور مصیبت نہیں بلکہ ضروری ہے۔اسی طرح کے ضروری قوانین ایک ملک کے صحیح نظام کو چلانے کے لئے جومناسب قوانین اور''لاء'' ڈاکٹرامبیڈکر نے مرتب کی ہیں۔جنہیں سمبید ھان کہا جاتا ہے۔اس پر صحیح سے عمل کرنا قیدی اور مجبوری نہیں بلکہ ایک خوشحال ہندوستانی نظام کو قائم کرنے کے لئے ان کو ملک میں لاگو کرنا ضروری ہے۔اب اگر کوئی سمبید ھان کو نہ مان کر کہے کہ مجھے من پسند کام کرنے دینا چاہئے۔میری خوشی کا کام کرنے دینا چاہئے تو یہ رانگ خیال ہے۔اس کی مرضی اگر چوری کرنے کی ہے تو کیا ''چوری'' کے قانون سمبید ھان سے نکال دینا چاہئے! اس کی مرضی شراب پینے کی ہے تو کیا شراب کے قانون سمبید ھان سے نکال دینا چاہئے!اس کی مرضی لڑکی کے لئے ملک ہنستان کے قانون ۱۸؍اور موجودہ قانون ۲۲ھ سال کے بعد فوراً شادی کردی چاہئے اورلڑکے کو ۲۵؍سال کی عمر میں شادی کردینی چاہئے اوراس کے خلاف لڑکے اورلڑکیاں کہے تو کیا ان کی باتیں مان لی جائیں گی۔نہیں! ہرگز نہیں! اللہ تعالی نے ہر جاندار میں جہاں ان کے جینے کے لئے جہاں بہت سی چیزوں مثلاً کھانے ، پینے ، چلنے پھرنے ،سونے ،اٹھنے بیٹھنے ، بلکہ موقع محل میں جھوٹ تک بولنے کو ضروری قرار دی ہیں وہیں فطری طور پر نسل وخاندان کو باقی رکھنے کے ''میاں بیوی'' کا جائز اور صحیح طریقے سے وقت پر آپس ملنے (مباشرت ؍جفتی) کرنے کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔

اس لئے ایک لڑکا اور ایک لڑکی کو پرسکون زندگی گذارنے کیلئے تجربہ کار والدین اور بڑوں کے شرعی رائے،مشورہ سے صحیح طور سے نکاح کرنا چاہئے۔ بلکہ باپ،ماں کے صحیح وشرعی مشورہ سے ہی اپنی زندگی کی گاڑی کی ڈرائیونگ کرنی چاہئے۔بہت سے ادھ کچے اور محدود میموری وعقل کے بچے اور بچیاں بس خوبصورتی، کمپنی یا نوکری کے لئے انگلش بول چال کرنے والے بچے، بچیاں اسی طرح خاص جگہ کی سرٹیفکیٹس کو دیکھ کر شادی کرنے کے لئے بڑوں کے صحیح معاشرت والے نظام المعاشرت کے خلاف مزاج رکھتے ہیں۔اصلی اللہ کے حکم کا بالکل خیال نہیں کرتے ہیں۔جبکہ ہر خوبصورت شخص ،اچھے اخلاق والا ہی ہو۔ضروری نہیں۔ابولہب کا نام ''ابولہب'' اس کی خوبصورتی کی نہایت چمک ہی کے وجہ سے تھا۔مگر دنیا کا سب سے بدترین بداخلاق یہی شخص نکلا۔جس نے اپنے خاص بھتیجے اور ساری دنیا کے سردار اعلی ،کلکی اوتار پیغمبر خدا محمد ﷺ کو تکلف دی۔جس کے سبب آج وہ عذاب میں مبتلا ہے اور مرنے کے بعد بھی برے نام سے جانا جاتا ہے۔حضور ﷺ کے سگے چچا ''ابوجہل'' کا بھی وہی حال ہوا۔جس کی قبر پر آج ساری دنیا کے حاجی پاخانہ کر کرے آتے ہیں۔

آج تک بہت سے خوبصورت مرد اپنی بیویوں کو دوزح کی طرح ستا ستا کر، بداخلاق بنے ہوئے ہیں۔اسی طرح بہت سی خوبصورت لڑکیاں بھی اپنے مرد کے لے جہنم سے کم نہیں ہیں۔شریعت میں شادی کے لئے خوبصورتی کوئی معیار اور شادی کے لئے شرط نہیں ، ہاں! مستحب کے درجے میں ہے۔اگر اللہ تعالی نے کسی خاص نیکی کی بنیاد پر آزمائش کے

لئے خوبصورت جوڑا عطا کر دی ہیں تو یہ تقدیر کا کھیل ہے اور اس کھیل کو بھی خدا کے حکم ''شکر'' کے حکم پر عمل کرنا چاہئے۔ اگر کسی خاص بدعملی کے سبب کالا کلوٹا اور خواہش کے خلاف جوڑا مل گیا تو یہ بھی منجانب اللہ امتحان ہے۔

ایسے مومنٹ میں ''صبر'' کرنے کے حکم پر عمل کرنا چاہئے۔ ایسے وقت میں جو صبر کرے تو اس کے ساتھ اللہ کے فرمان ''ان اللہ مع الصابرین'' کہ ''اللہ تعالی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے'' کے مطابق اس کے ساتھ اللہ تعالی ہر حال میں رہے گا اور وہ ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب ہوگا۔ اگر کوئی خوبصورت مگر بداخلاق مرد یا عورت کے مقابلے میں کالے کلوٹے اچھے اخلاق والے، خوش مزاج اور سائلینٹ مرد یا عورت جوڑا مل گیا تو پھر اس بداخلاق خوبصورت جوڑے سے بہتر یہ کالے کلوٹے، اچھے اخلاق والے، خوش مزاج اور سائلینٹ مرد یا عورت کا جوڑا ہے۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ خادم رسول ﷺ ''حضرت بلال'' نہایت کالے تھے۔ مگر ان کی بیوی نہایت خوبصورت مثل چاند ملی۔ حقیقت میں دونوں میں بیوی میں کوئی جوڑ نہیں تھا۔ مگر حضور ﷺ نے صرف ''اخلاق و دینداری'' کو معیار و پوائنٹ بنا کر اس جوڑے کو جوڑا تھا۔ اس خوبصورت عورت کے لئے کالے کلوٹے حضرت بلالؓ ہی درست تھے۔

اس وقت حضرت بلالؓ کی بیوی نے حضور ﷺ پر ''بلیک میل'' کرنے کا کوئی الزام نہیں لگائی۔ اگر خوبصورتی ہر حال میں لازم ہوتی تو حضور ﷺ حضرت بلالؓ کو کالی عورت سے شادی کر کے جوڑا بنانا چاہئے تھا۔ اسی طرح ان کی سفید فام چاند صورت والی بیوی کو نہایت کالے کلوٹے حبشی جوڑے سے جڑنے اور نکاح کرنے کے بجائے نہایت خوبصورت مرد سے شادی کرنے کے لئے حضور ﷺ کے مشورہ کو نہیں ماننا چاہئے تھا۔

مگر حضور ﷺ اس جوڑے میں خوبصورتی کو معیار نکاح نہیں بنایا۔ بلکہ دینداری، خوش مزاجی، حسن اخلاق و حسن معاشرت، حسن تعلیم، خوخاندان کی صحت کو بنا کر، اس جوڑے کو جوڑا۔ آپ ﷺ کے حکم کی اطاعت کے قانون پر عمل کرتے ہوئے، ان دونوں جوڑوں نے ''اف'' تک نہیں کہا۔ بلکہ خوشی خوشی ایک دوسرے سے جڑ کر نہایت پاکیزہ زندگی کو گذارا۔ کبھی زبان پر حضرت بلالؓ کی بیوی نے حرفِ شکایت نہیں لائی اور کبھی ناراضگی نہ دکھلائی کہ میں اتنی خوبصورت تھی۔ مگر حضور ﷺ نے (نعوذ باللہ) مجھے ''بلیک میل'' کر کے زبردستی نکاح کر کے قسمت کو حضور ﷺ نے خراب کر دی۔ زندگی برباد کر دی۔ یہ شادی ''میری مرضی'' کی شادی نہیں تھی۔

اسی طرح خود حضور ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کا نکاح اپنے چچیرے بھائی چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ سے کر دینے کی بھی بہت اعلی مثال ہے۔ مسلمان قوم اور بلکہ ہر عقلمند کے لئے بہر حال ''معیار عمل'' اور ''ورکنگ'' صرف اور قرآن وحدیث اور اصحاب نبی اور مفتیان کرام اور علمائے ربانی کا پیش کیا ہوا شرعی مشورہ ہے۔

حضرت فاطمہؓ اور علیؓ کے نکاح کے واقعہ ہی کو مسلمانوں کو معیار بنالینا چاہئے۔ اس نکاح کے دونوں جوڑوں یعنی حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ دونوں کے نکاح کے بارے میں دونوں کو معلوم بھی نہیں تھا کہ ہمارا نکاح ہونے جا رہا ہے۔ بس ظہر میں مسجد نبوی قدیم ﷺ میں درمیان صحابہؓ مشورہ ہوا۔ دونوں کو خبر دے دی گئی کہ عصر میں حاضر رہے اور عصر کی نماز کے فوراً بعد دونوں کا نکاح خود حضور ﷺ نے پڑھادی۔

غور کیجئے کہ یہ کس کا نکاح حضورﷺ نے پڑھایا! خود اپنی لخت جگرؓ کا نکاح پڑھایا تھا۔ داماد کون تھے؟ اس وقت کے مالداروں کے مقابلے میں نہایت غریب، مفلوک الحال شخص حضورﷺ کے چچازاد بھائی "حضرت علیؓ" تھے۔ آخر! کیوں نہیں حضرت فاطمہؓ نے اپنے باپ پر الزا کسی کہ اے میرے باپ! یہ کیا کر رہے ہیں آپ! آپ تو شہنشاہ کائنات ہیں! مجھے اس غریب شخص سے کیوں جوڑ رہے ہیں۔ یہ کیا کمائے گا۔ کیا کھلائے گا۔ شادی کا معیار اگر مال کمانا اور نوکری ہوتی تو حضرت فاطمہؓ ہرگز حضرت علیؓ سے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ جبکہ آج کل کے لڑکے اور لڑکی کے معیار نکاح اور نئے زمانے کے اونچے اونچے خیالات کے مطابق بالکل زبردستی ہی کا نکاح ہوا تھا۔ جبکہ حضورﷺ نے نکاح میں زبردستی کرنے کو منع بھی فرمایا ہے۔

پس جو شخص جس معاملہ میں زبردستی کرنے سے منع کرے۔ وہی شخص اپنی ہی بیٹی کا نکاح ایک غریب شخص سے کیسے کر دی؟ کیا اُور مالدار مکۃ المکرمہ زادھا اللہ تشریفا وتعظیما میں کوئی نہیں تھا! لیکن قربان جایئے ان دونوں جوڑے کے اخلاق واطاعت وفرماں داری پر کہ دونوں نے "اف" تک نہیں کہا کہ یہ کیا آپﷺ کر رہے ہیں! یا نبی اللہ! مجھے کچھ سوچنے اور انتظام کرنے کے لئے موقع تک نہیں دی اور آپﷺ نے بس اپنی مرضی سے ہم دونوں کو ایک دوسرے سے زبردست جوڑ دی۔ نہیں! ہرگز نہیں! بس اللہ تعالی کے قانون" اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم " کے مطابق حضورﷺ کے دونوں کے لئے نکاحی فیصلے کو سر جھکا کر حضرت علیؓ نے بھی اور آپﷺ کی لخت جگر حضرت فاطمہؓ نے بھی قبول کر لی۔ جن کے باپ نبیوں کے سردار، ان کے باپ کی عزت آخر بیٹی کیسے نہ کرتی! بس باپ کی عزت سر آنکھوں پر! شوہر غریب ملا تو کیا ہوا، دیندار اور اخلاق مند تو ملا! یہی معیار نکاح ہے۔ اس لئے قبول کر لی!

ادھر حضرت علیؓ نے بھی حضورﷺ سے بس اتنی گذارش کی کہ یا نبی اللہ! میں غریب ہوں! مجھے کم از کم رخصتی کے لئے تین دنوں کا موقع دیجئے تا کہ کچھ انتظام کرلوں۔ حضورﷺ ان کی گذارش پر کوئی جواب تک نہیں دی۔ آج کی لڑکیاں اور لڑکے کپڑے، جوڑے کی من پسند خریداری میں اپنی خوشی سمجھتے ہیں اور جس رقم میں مستقبل کے لئے کوئی مستقل انتظام کر سکتے ہیں۔ اس رقم کو بس ایک دن کی خوشی اور اپنے فرینڈوں کی طرف سے تعریفی جملوں کے سننے کی غرض سے لاکھوں لاکھ رُوپئے دوکانداروں کو لٹا کر غیر شرعی لباس خرید کر بس ایک دن یعنی شادی کے دن استعمال کر کے ہمیشہ کیلئے یا کبھی کبھی کیلئے الماری کی زینت بنادیتے ہیں۔ یہ کون سی عقلمندی اور کیسی خوشی ہے؟

یہاں حضرت علیؓ اور فاطمہؓ دونوں عصر بعد نکاح سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھر جاتے ہیں۔ پھر جیسے ہی مغرب ہوا۔ حضرت محمدﷺ نے بغیر پوچھے اور حضرت فاطمہؓ سے مشورہ لئے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کا ہاتھ پکڑ کر، سیدھے حضرت علیؓ کے گھر پہنچ کر، دروازہ پر دستک دی۔ حضرت علیؓ دروازہ کھولے تو شہنشاہ کونینﷺ تھے۔ آپﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو دروازے کے اندر دے کر کہا کہ نکاح کے بعد ایک مرد اور عورت کا الگ الگ رہنا حرام ہے۔ اس لئے یہ آپؓ کی بیوی ہے۔ جایئے! خوش رہئے اور پرسکون زندگی گذاریئے! اس کے بعد واپس گھر تشریف لے آئے۔

آج کل کی لڑکیوں کے ساتھ اگر اس طرح کا رویہ کوئی باپ کرے تو اس باپ پر "بلیک میل" کے الزام سے بھی کوئی

بھاری الزام ہوسکتا ہے تو وہ الزام لگا کر عشاء ہونے سے پہلے پہلے شاید جیل کی سلاخوں کے اندر بھی ٹھونس دے سکتی ہیں۔ کیوں کہ انہیں ماں باپ کی مرضی نہیں ہوتی ہے تو کوئی پرواہ نہیں۔ اپنی مرضی سے شادی نہیں ہوئی تو اس کے لئے گھر میں جنگ شروع کر دیتی ہے۔ ایسی بھیانک گال پھلا کر، والدین سے اور جو جو والدین کے مزاج کے موافق بات کرنے والے اور رشتہ کروانے میں اِنوال ہوتے ہیں، ان سبھی لوگوں سے ایک دم بات چیت بند کر کے دشمن اور غیر و اجنبیت سے بدتر طریقے سے نہایت غم وفکر میں بدسلوکی اور بداخلاق روش اختیار کر کے گھریلو طرز معاشرت میں زبردست ماتم بچھا دیتی ہیں۔ بلکہ صاف صاف کہتی ہیں کہ ''والدین نے مجھے ''بلیک میل'' کیا ہے''۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم!

ممکن ہے کہ یہ جملہ کچے ذہن کے ان اولادوں کا نہ ہوں۔ بلکہ گھروں میں میاں بیوی کے نئے جوڑوں کے درمیان ''عیب'' نکال کر والدین کی غلطی نکالنے والے دوسرے حضرات کے منہ سے نکلا ہو، جس کا اثر لے کر یہ کم عقل اولادیں خود بھی اپنے ان والدین کے خلاف ''بلیک میل'' کا لفظ استعمال کرتے ہوں، جنہوں نے اب تلک کی پوری جمائی کمائی کو اپنے لخت جگر کے نکاح کے لئے جھونک کر بالکل نہتھے ہوگئے ہوں اور اس بدطینت اور بداخلاق اولادوں کو دنیاوی رنگ اور موڈرن اسکرین سے متاثر ہونے کے سبب والدین کی قیمت معلوم نہ ہوں اور اب تلک کی مصیبت سے جمع شدہ رقم کے پانی کی طرح بہہ جانے کا احساس تک نہ ہو!

الا ماشآء اللہ! خدانخواستہ کوئی باپ مفتی، عالم ہو، جو شریعت کے پابند ہونے کے سبب اپنی اولادوں کو دینی اور اسلامی مزاج و معاشرت بنانے کی خاطر سختی کے ساتھ شریعت پر عمل کر کے اپنے گھر کے ماحول کو گاؤں و سماج، بلکہ پوری دنیا کے لوگوں کے لئے حضور ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ اور دامادِ رسول ﷺ حضرت علیؓ کے ''اللہ'' کی مرضی والی سادگی والے جوڑے کو اپنا کر نمونہ بنا کر اپنی بچی کو بھی ''دیندار، خوش مزاج، خوش اخلاق، سائلینٹ'' مسلمان مالدار اور تعلیم یافتہ شخص سے شادی کر دیتے ہیں تو لڑکیاں خاص طور سے گھر میں اُور ماتم شروع کر دیتی ہیں۔

بتلایئے! ''الٹے چور کوتوال کو ڈانٹے'' مقولہ کے مطابق وہ باپ ماں کی عزت، حیثیت اور امیج کو باقی رکھنے کی صورت اور، رویے اختیار کرنے کے بجائے ''جنگ بد'' راور ''جنگ احد'' شروع کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی پوچھتا ہے کہ ''مسئلہ کیا ہے؟ تو جواب میں والدین کے سارے الزامات تھوپ دیتے ہیں اور مکمل شکایت کر کے گھر کی عزت کو چوراہے پہ لا کھڑا کر کے صاف صاف کہتے ہیں کہ ''میری مرضی'' سے شادی نہیں کئے''! میری مرضی تھی کہ خوبصورت ہو۔ انگریزی اسپیکنگ والا ہو، ویلویڈ سرٹیفکیٹ والا ہو، یہ سب میری مرضی کی باتیں تھیں۔ اس طرح میری مرضی اور خوشی سے کچھ نہیں ہوا۔

اس طرح کی جتنی باتیں لڑکے، لڑکیاں کرتی ہیں۔ سب فضول، غیر اصول، مہمل اور بیکار باتیں ہیں۔ ان سے تین گناہ ہوتے ہیں۔ پہلا گناہ ''تقدیر'' پر ایمان لانے سے انکار کرنے کا گناہ ہوتا۔ کیوں کہ مسلمان پیدا ہوتا ہے تو پہلے'' کان'' میں ''اذان'' کی آواز سے اللہ تعالی یہ وعدہ لیتا ہے کہ معبود برحق صرف خدا ہے۔ ان کے علاوہ کوئی خدا نہیں۔ کوئی انسانی ضرورت پوری کرنے والا نہیں۔ یہ سبق یاد رکھنا!

اس کے بعد جب انسان پل بڑھ کر بالغ اور عقل مند ہو جاتا ہے۔ جو اس کے اوپر اسلامی والٰہی قوانین لاگو ہونے لگتا ہے، تب بھی اسی سبق کو یاد دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے باضابطہ قرآنی کلام کے ذریعے اعلان کرتا ہے ''و ما تشآؤن الا ان یشآء اللہ رب العالمین '' کہ اصلی ''اللہ'' کے سامنے کسی کی مرضی کبھی نہیں چلتی ہے۔ ''اللہ اکبر'' وہی اللہ سب سے بڑا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے۔ وہی ہوتا ہے۔ تمہارے لئے بھی وہی ہوگا جو وہ چاہے گا۔ تمہیں جینے کے لئے اُس رب نے جو اختیار اور مرضی دی ہیں۔ اس میں اپنے قانون کی طرف چلنے کے لئے ترغیب دی ہیں۔ یعنی وہ رَب چاہتا ہے کہ '' تم اسی کے قانون کے مطابق چلن اور عمل کرو۔ اسی کے کہنے ور قانون کے مطابق اور اسی کی مرضی کے موافق کامیابی ملے گی۔ کہیں پہ انسان کی مرضی الٰہی قانون سے ہٹ کر نہیں چل سکتی ہے''۔

اگر انسان کی مرضی ہر حال میں ہر جگہ چلتی ! تو انسان بے وقت زمین سے جو چاہتا ! فوراً اُسے اصلی صورت میں اُگا لیتا۔ ہر کوئی ہسپتال میں جاتا تو شفاء پانے کی مرضی سے ہی جاتا ہے۔ ڈاکٹر بھی ''Rx'' یعنی نورِکس ''لیٹر ہیڈ'' پر لکھ کر مریض کے گھر والوں سے دستخط لے کر علاج نہیں کرتا۔ بلکہ فل گارنٹی مریض اور اس کے گھر والوں کو دیتا کہ اتنے پیسے لگیں گے اور یہ ہر حال میں شفاء پا کر فلاں دن آپ کے گھر پہنچ ہی جائے گا، اور ہر ''مریض'' ہر حال میں اپنی مرضی کے مطابق شفاء پا کر گھر لوٹ ہی جاتے ! مگر ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ جسے اللہ چاہتا ہے۔ اسے کسی ڈاکٹر کے علاج و ترکیب سے شفا دے کر گھر بھیجتا ہے۔ جسے نہیں چاہتا۔ وہ ماہر ڈاکٹروں کی نگرانی میں اور لاکھوں اربوں پیسوں کے بدلے بھی قبرستان چلے جاتا ہے۔ گھر نہیں پہنچ سکتا ہے۔

بتایئے ! کہاں انسان کی ہر جگہ مرضی چلی۔ اس لئے کسی بھی انسان کو یہ جملہ ہرگز کسی بھی معاملے میں نہیں بولنا ہے، نا ہی اس کے لئے ضد کرنی ہے کہ ''میری مرضی نہیں چلی''۔ فلاں کام میری مرضی سے نہیں ہوا''۔ کیا یہ لڑکیاں اس لڑکی سے زیادہ اُفضل اور دِماغدار ہے۔ جس کو اس کے سرپرست نے زبردستی شادی کردی تھی اور اس لڑکی نے حضورﷺ سے جا کر اپنی مرضی سے شادی نہ ہونے کی شکایت کی تھی تو حضورﷺ نے لڑکی کے سپورٹ میں کلی اختیار، نکاح کے ختم کردینے کو کہا تھا، تب اس نے اطاعت کے قانون پر عمل کرتے ہوئے ''اولوالامر'' کے تابع ہونے کے حکم الٰہی کے سامنے سر جھکا کر، زبردستی ''نکاح'' کو باقی رکھ کر اپنے والدین سے اور اس رشتہ میں اِنوال تمامی لوگوں سے ایسا رشتہ رکھ کر میاں بیوی کی زندگی گذارنی شروع کردی کہ جیسا کہ کبھی اسے والدین سے تکلیف ہی نہ ہوئی تھی۔

اسی طرح آج کی لڑکیوں اور لڑکوں کے دماغ سے سرور کائنات کے سامنے کی اس لڑکی کا دماغ ٹھیک تھا۔ جس نے حضورﷺ کے نکاح توڑ دینے کے لئے فرمان جاری کردینے کے بعد بھی نکاح کو اس لڑکی نے باقی رکھ لیا تھا۔ کیوں کہ وہ لڑکی ''ہو چکے کام'' کو ''تقدیر'' کا حصہ جان لی تھی۔ اس کے بعد والے ہنگامے سے کچھ اُسے فائدہ اُسے نظر نہیں آیا۔ کیوں کہ انسان ''عزت وقدر'' ہی کی چاہت کرتا ہے۔ اب شادی توڑ دینے میں اکیلے نہیں، بلکہ اپنے اور اپنے شوہر دونوں طرف کے پورے خاندان کے ساتھ لفظ ''بدنامی'' کا شہرہ ہو رہا تھا۔ اس لئے خود کو صبر و شکر کے درمیان زندگی گذار کر اپنے اوپر داغ لگنے اور برے نام سے شہرت پانے کو اور اسی طرح اپنے کل سماج، خاندان کو بھی برے نام سے پکارے جانے کو اچھا نہیں

سمجھا۔ بلکہ ایک نیک معاشرت بنانے کی الٰہی مرضی کی خواہش کے مطابق اسے فائدہ نظر آیا تو باپ کے زبردستی نکاح کو باقی رکھنے ہی میں فائدہ نظر آیا۔ اسی لئے اس لڑکی نے حضور ﷺ سے شکایت کر کے حضور ﷺ سے اختیاری فرمان معلوم کر لینے کے باوجود ماں اور باپ کی عزت اور ان کے کئے کام کو اپنی زندگی کے لئے قبول کر لی۔ توڑی نہیں۔

اسی طرح آج بھی لڑکے اور لڑکیوں کو اپنی پیدائش اور اس کے بعد سے موت تک کے تمام حالات کو تقدیر اور عمل صالح پر چھوڑ دینا چاہئے اور ''و افوض امری الی اللہ '' کے قانون الٰہی کے مطابق اپنے تمام کاموں میں قانون رب کا ہر ایک کو ''فالو'' کرنا چاہئے۔ ''ہورہے کام'' کو اگر سکون سے ہورہا ہے تو اللہ کا فضل جاننا چاہئے۔ اگر ''تکلیف سے کام ہورہا ہے'' تو بار بار قانون کی طرف دھیان دے کرنا چاہئے۔ اگر قانون کے فالو کرنے کے بعد بھی ''کام'' بگڑ جارہا ہے۔ انتھک کوشس سے بھی ''کام'' نہیں بن رہا ہے۔ تمام ذرائع استعمال کر لینے کے باوجود ''کام'' صحیح نہیں ہورہا ہے، یا محنت اور قانون کے بعد بھی اچانک یا کسی وجہ سے بھی ''کام'' غلط ہوگیا یا من پسند ''کام'' نہ ہوا تو، اس ماحول کے ''کام'' کو تقدیر کا حصہ سمجھنا چاہئے۔ ہر جگہ اپنی مرضی اور اپنی خوشی نہیں چلتی ہے۔ اس کے لئے بس کوشس ہوتی ہے۔ فکس ڈپاژٹ میں ''مرضی اور ''خوشی'' کو اللہ تعالیٰ سے کسی نے ایگریمنٹ نہیں کیا ہے۔

پس ''جو ہوا، جو ہورہا ہے، جو ہونے والا ہے'' تینوں سوچویشن میں ''وما تشآؤن الا ان یشآء اللہ رب العالمین '' کے قانون کو اور ''وتعز من تشآء و تذل من تشآء بیدك الخیر '' کے قانون کو خیال رکھنا چاہئے اور کسی کام میں بھی کسی پر الزام یا بلیک میل کا ''بہتان'' نہیں لگانا چاہئے۔ یہ ناسمجھی اور بدعقلی ہے۔ خاص طور سے کسی کا اپنا بیٹا اپنی ناپسند بیوی کے بارے میں، اسی طرح اپنے ناپسند لڑکی اپنے ناپسند شوہر کے بارے میں ''کام'' ہوچکنے کے بعد اپنے سرپرستوں پر، نکاح کرانے والوں پر غلط سلط الزام نہیں لگانا چاہئے۔

البتـــــــہ! شادی کے جوڑے طے کرنے میں ''کفو'' یعنی برابری کا اور لڑکے اور لڑکی کے دلی خواہش کے موافق سرپرستوں کو خیال رکھنا فرض ہے۔ ''برابری اور رمیچنگ'' کوئی بری چیز نہیں بلکہ محبوب و مطلوب اور چیز کے قیام کے لئے حسن والی چیز ہے۔ یہ دراصل کسی چیز کے قیام کے لئے اس کے نارمل پوائنٹ پر ارجسٹ منٹ سوچویشن ہے کہ جو ضروری چیز ہے۔ اسی لئے میں نے اسے ''فرض'' کہا ہے۔ آپ کسی بھی چیز کو اس کے نارمل پوائنٹ سے کم کردیں گے یا بڑھا دیں گے تو وہ بدصورت اور قابل اعتراض بن جائے گی۔ بہت سے شیشے ایسے پاور والے ہوتے ہیں کہ اس میں آپ اپنا چہرہ دیکھیں گے تو مناسب پوائنٹ سے ہٹنے کی صورت میں چہرہ بہت بڑا، یا بہت چھوٹا یا بہت بھونڈا، عجیب سا لگنے لگتا ہے۔ اگر صحیح پوائنٹ پر آپ کھڑے ہیں تو یہ میچنگ پوائنٹ ہوتا ہے۔ یہی نارمل اور اعتدال پوائنٹ ہے۔ اس میں آپ کا بدن قدرتی بناوٹ کے عین موافق نظر آنے لگتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اعتدال اور میچنگ اچھے نام پانے کے لئے نہایت ضروری پوائنٹ ہے۔ اسی کو عربی میں ''کفو'' میں ہونا کہتے ہیں۔ یہ ہر چیز میں مطلوب اور ضروری ہے۔ اسی طرح ایمپلی فائر کے بٹن کئی ایک ہوتے ہیں۔ مائک سسٹم کے ماہرین ان بٹنوں کو پھرا کر انہیں نارمل پوائنٹ پر ارجسٹ کر کے رکھتے ہیں اور مائک اور ساؤنڈ سسٹم کے خریدار کو اس کی تعلیم

دیتے ہیں۔ اگر یہ بٹن نارمل پوائنٹ میں ارجسٹ نہ ہوں تو آواز خراب ہو جاتی ہے۔ اس لئے ساؤنڈ سسٹم میں مناسب اور صحیح آواز سننے کے لئے ایمپلی فائر کے بٹنوں کو مناسب پوائنٹ پر ارجسٹ کر کے رکھنا فرض کے درجے میں ہے۔

اسی طرح ہر چیز کا حال ہے۔ اسی طرح شادی بیاہ کے معاملے میں بھی راہ اعتدال اختیار کرنا ضروری ہے۔ یہ راہ اعتدال ''اختیار کرنے کا نام ''کفو'' میں رکھنا ہے۔ اس لئے یہ اچھی طرح جان لیجئے کہ ہم نے جو بھی باتیں ابھی تک درج کی ہیں۔ یہ سب تقدیر سے متعلق ''ہو چکے کام'' میں ارجسٹ کی وہ صورت حال لکھی ہے، جس میں ''بدنامی سے بچا جائے اور نیک نامی حاصل کی جائے''۔

انسان جس طرح ہر معاملے میں انتھک کوشش کے بعد بھی تقدیر کے موافق نتیجے پر پہنچتا ہے۔ مگر کام میں ''و عملوا الصلحت'' یعنی قانونی دائرہ میں صحیح کام کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ اسی طرح زندگی کے نئے خاندان کی تشکیل میں لڑکی اور لڑکے کے درمیان مال، جمال، صورت وسیرت، علم، خون خاندان، عزت دار، قابل تعریف سوچویشن کے دیکھنے کا مجاز ہے۔ اسے ایسا کرنا ہی چاہئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے'' وشاورهم في الامر '' کا حکم دیا ہے کہ تم کام سے پہلے مشورہ کر لیا کرو۔

اسی طرح اگر جاہل ہو تو'' فاسئلو اهل الذكر أ ن كنتم لا تعلمون'' قانون پیش کر کے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ''اگر تم جاہل ہو۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا کرو! کیا نہ کروں! تو جاننے والے لوگوں سے کام کرنے سے پہلے معلوم اور جانکاری حاصل کر لو۔ اس کے بعد کام کیا کرو''۔ اس لئے شادی بیاہ کے معاملے میں بھی اہل الرائے سے بہت چھان بین کر کے بچے اور بچیوں کا نکاح کفو اور برابری میں کرنا چاہئے۔

چونکہ اہل دنیا زیادہ تر ان بیلنس کام کرتے ہوئے حسن و جمال، مال و دولت اور خاندانی رعب داری اور محض اپنی عزت نفس کو دیکھتے ہیں۔ اس لئے حضورﷺ نے ان تمام چیزوں کو دوسرا درجہ دیا ہے اور پہلا درجہ ''دینداری اور سیرت و اخلاق'' کو دیتے ہوئے حکم دیا ہے کہ اگر کسی میں مال، جمال، کمال، خون و خاندان سب صحیح ہیں۔ مگر اس کی سیرت ٹھیک نہیں۔ وہ دیندار نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ پیچھے بات آ چکی ہے کہ ''ابولہب'' سے بہتر مال، جمال، کمال، خون و خاندانوالا مکے میں کوئی نہ تھا۔ مگر اس سے زیادہ بدسیرت اور بدکردار و بدتمیز بھی کوئی نہ تھا۔ اس لئے سیرت و اخلاق سب سے پہلا معیار ہے۔ اس لئے کسی کے اندر یہ صفت موجود ہے تو اگر چہ وہ حسن کے بجائے کالا کلوٹا ہو، مالدار کے بجائے نہایت غریب ہو، خون خاندان کا فرق ہو یعنی شیخ سید وغیرہ ہو تو سماج میں زیادہ عزت دار نہ ہو بلکہ غریب اور کم عزت دار ہو تو بھی نکاح کر لو کہ نیک سیرت اور دینداری دین و دنیا دونوں میں پرسکون ماحول پیدا کرنے والی چیز ہے۔

مثال حضرت بلالؓ کی نہایت خوبصورت عورت سے شادی کی شریعت میں موجود ہے۔ اس لئے نکاح کرنے والے جوڑے میں طرفین سے ''کفو'' کا خیال رکھتے ہوئے نکاح خوانی کرنی چاہئے۔ مگر فریقین میں سے کسی ایک نے دوسرے کو چھان بین میں یا مقدر میں لکھے ہوئے کہ موافق کسی سبب سے دونوں فریق دونوں کو اپنے اعتبار سے اچھا سمجھ کر لڑکے لڑکی کا جوڑا باندھ دیا۔ مگر ایک نے دوسرے کو دھوکہ اور فریب دے دی۔ کوئی ایک اس میں ٹھگا گیا۔

اب شادی کے بعد شادی ان بیلنس سوچویشن میں ہے تو شرعی روشنی میں اب یہ نزاعی صورت بن گئی۔ایسے ماحول میں بیلنس میں رہ کر معاملہ سدھارنے کے لئے اللہ کے حکم " اذَا تَنَازَعُوا فرُودُّوهُ أَلىَ اللّٰهِ الخ.... پر عمل کرتے ہوئے طرفین کے سرپرستان اور میاں بیوی صرف چار آدمیوں کا ذاتی تصفیہ فیصلہ قابل قبول ہے۔

اگر میاں بیوی آپس میں رضامند ہیں تو ٹھیک ہے۔اوپر والی حدیث میں حضورﷺ نے جس لڑکی کو رشتہ توڑ دینے کے لئے اختیار دیا۔لیکن لڑکی نے رشتہ کو باقی رکھ کر خود کو صبر شکر کے ساتھ اللہ کی اطاعت کر کے اپنے والدین اور اولوالامر کی عزت کو باقی رکھ لیا اور اپنے اوپر لگے داغ کو داغ بننے نہیں دیا۔یہ اس نیک سیرت بچی نے "تقدیر" کی تعلیم کی وجہ سے عقلمندی کا کام کرتے ہوئے کر کے امت کی لڑکے اور لڑکیوں کو یہ پیغام دیا کہ "ہو چکنے والے کام" میں انسان سوائے پشیمان اور افسوس کرنے کے کچھ نہیں کرسکتا ہے۔اگرچہ یہاں پر میری مرضی پر عمل کرتے ہوئے رشتہ توڑ کر دوسرا مرضی والا رشتہ ڈھونڈا جا سکتا تھا۔مگر چونکہ نکاحی عمل ہو چکا ہے۔مگر میرے ساتھ اس مرضی کے خلاف نکاح اسی لئے ہوا کہ یہ " تقدیر" میں تھا۔اس کہنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔چونکہ کسی پر الزام تراشی سے بھی عزت واپس نہیں آسکتی ہے۔اس لئے جس نوجوان کو ایک بار کسی کے ذریعے سے بھی عزت دے دی۔یہ عزت عزت ہی کے فولڈر میں رہ جائے تو بہتر ہے۔بدلنا بدنامی کے ساتھ شہرہ حاصل کرنا کوئی اچھی بات نہیں۔اس لئے نیک سیرت کی لڑکی اور لڑکا بڑوں کے یا خود کردہ نکاحی عمل کے بعد کے دھوکے میں پڑنے کے بعد اسے سدھار کر چلتے ہیں۔بگاڑ کر نہیں۔

مگر یہ بھی اگر مقدر میں تھا کہ جوڑا ہونا منجانب اللہ عالم ازل سے طے تھا۔جس پر عمل کرنے کے لئے فرشتے کو پرچی سال رواں میں دے دی گئی تھی۔جس پر میں نہیں چاہتی تھی۔اس کے باوجود اس نکاح کے ہوجانے کے لئے سبب بن گیا اور وہ یہ کہ میرے والد نے زبردستی کر کے اس کو انجام دے دی اور یہ نکاح ہو گیا۔اسی وجہ سے اس نکاح میں "کفو" کے باب میں ریسرچ کرنے میں طرفین نے یا ان میں سے کوئی ایک دھوکہ کھا گیا، اور ایک نے دھوکہ دے دی۔

یہ تو اس لڑکی نے جسے حضورﷺ نے اس کی مرضی کے خلاف نکاح ہو جانے پر اپنے اختیار کو اللہ، رسول اور والدین کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے نکاح باقی رکھ کر پیغام دیا۔

مگر کسی لڑکی یا لڑکے کو اطاعت کی توفیق ہی نہ ملی اور وہ اپنی من پسند رشتہ نہ ہونے کے سبب اسے توڑ کر خود کو اور اپنے اہل خانہ اور سماج کو بدنام ہی کر دیا، تو اسے قانونی طور پر رشتہ توڑنے کا چونکہ اختیار تھا، تو جاننا چاہئے کہ اس کی تقدیر میں اس کی اور اس کے ذریعے اہل خانہ وغیرہ کی بدنامی بھی مقدر ہی تھی۔اس لئے وہ لڑکی اطاعت کے قانون پر عمل کرنے کی طرف توجہ نہیں دی۔اسی وجہ سے کسی کا سمجھانا اس کے حق میں مفید ثابت نہ ہوا۔جس کے سبب فریقین میں نزاعی صورت حال پیش آگئی۔انتھک کوشش کے باوجود، رشتہ لڑکا لڑکی بچا کر صبر وشکر کے درمیان کی نیک زندگی گذارنے پر تیار نہ ہوسکی۔یعنی تقدیر یہی تھی کہ اس رشتہ کی عمر اتنی ہی تھی۔اس کے ٹوٹنے کی بھی شب برأت یا شب قدر میں مقدر کر دیا گیا تھا اور وہ رشتہ ٹوٹ گیا تو اب اس نکاح کے "ٹوٹنے کے عمل کے ہو چکنے" کو بھی تقدیر ہی کا حصہ سمجھنا ضروری ہے۔اس لئے کہ جو ہو گیا۔ہو گیا!

اسی طرح بہت سے رشتے کئی کئی اولادیں پیداہوجانے کے بعد اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ یہ بھی سماج میں ہوا ہے کہ کئی رشتے بوڑھے بوڑھیوں کے بھی آپسی خانہ جنگی اور معمولی معمولی سی بات پہ تنازع کے سبب اور بعض مرتبہ اولادوں ہی کو لے کر ٹیاں بیوی کے درمیان تنازع شروع ہ کرا تنا بڑا بن گیا کہ ان دونوں کے درمیان طلاق واقع ہوگئی ہے۔

یہ طلاق خواہ اولاد کی تربیت وشرارت کے سبب ہوئی ہو یا کہ زوجین میں سے کسی ایک کی بداخلاق رویے اور سلوک کے سبب ہوئی ہو۔ بہرصورت جس کی غلطی ہو اس کی اصلاح کر کے زندگی گذارنے کی صورت لگانی چاہئے۔ کیوں کہ طلاق کوئی ''گوراگوری'' کا کھیل نہیں ہے۔ یہ دواجنبی ذہنوں کو تاحیات ارجسٹ کر کے اعتدال کی راہ پر قائم رکھ کر انسانی ضرورت کو پورا کرتے ہوئے زندگی گذار کر اللہ کے پاس چلے جانے کا نام ہے۔ عموما لوگ اسی دنیاوی زندگی کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے زوجین میں سے کوئی ایک یا ہر دو اپنی اپنی خواہش کے سبب جھگڑا کر کے ماحول بگاڑ لیتے ہیں۔ خصوصا میاں بیوی کے حقوق میں کوتاہی کے سبب جھگڑا ہوتا ہے۔ حالانکہ زوجین میں سے دونوں کو ایک نشانی اللہ تعالی نے قرار دی ہیں۔

حالانکہ قرآن مجید کے سورۂ بقرہ میں اللہ تعالی نے صاف واضح کر دیا ہے''ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف'' کہ ''عورتوں کیلئے اسی طرح حقوق مردوں پر ہیں جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے''و من آیاتہ خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا و جعل بینکم مؤدۃ و رحمۃ '' کہ ''اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے نفوس سے تمہاری رفیقۂ حیات کو پیدا کیا، تاکہ اس کے ذریعہ سے تم سکون قلب حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت ورحمت کو پیدا کیا۔

اسی طرح ایک جگہ ہے''ھن لباس لکم و انتم لباس لھن'' کہ تم مرد کے لئے لباس ہو اور عورت تمہارے لئے لباس ہے۔ اس آیت میں ''لباس'' کا معنی علامہ ابن کثیرؒ نے ''سکون'' کہا ہے۔ سورۂ نساء میں ہے''الرجال قوامون علی النسآء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض و بما انفقوا من اموالھم '' کہ ''اللہ تعالی نے تم میں سے بعض کو بعض وجہ سے فضیلت بخشی ہے۔ اس وجہ سے''مردوں کو اللہ تعالی نے عورتوں پر حاکم بنایا ہے''۔ حجۃ الوداع میں حضورﷺ سے مردوں کو جو تنبیہ فرمائی ہیں اس حدیث کو علامہ ترمذیؒ نے نقل کی ہیں کہ ''حقھن علیکم ان تحسنوا ھن فی کسوتھن و طعامھن''، یعنی''عورتوں کا تم پر حق ہے کہ تم ان سے ان کے کھانے، کپڑے میں اچھا برتاؤ کرو''۔

اس حدیث میں عورتوں کی کفالت کا حکم مردوں کو اس وجہ سے فرمایا ہے کہ عورت کا مرد حاکم ہے اور حاکم کے اندر جو ماتحتی میں ہوتا ہے۔ اس کے ضروری حقوق وخواہشات کی تکمیل حاکم ہی پر واجب ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب مرد عورت کے حقوق ادا کرن کے ذمہ دار ہیں تو پھر عورت کو مرد کی اجازت کے بغیر کمانے، دھمانے اور مرد کی طرح کھلے عام مال حاصل کر کے مرد پر حاکمیت اور رعب داری کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کیوں کہ اس سے دو شخصوں کی حکمرانی کی گاڑی نہیں چل سکتی ہے۔ جیسے ''نور'' اور ''روشنی'' کے وقت ''اندھیرا'' نہیں ہو سکتا ہے اور ''اندھیرا'' کے وقت میں ''نور'' نہیں رہ سکتا ہے۔ پس اسی طرح ''حکم'' بھی ایک وقت میں ایک ہی کا چلے گا۔ پس جب اللہ تعالی نے نکاح کے

بعد دومرد وعورت کے یکجا رہنے کے اصول میں سے مرد کو حاکم اور سردار اعلی بنایا ہے۔جس کی ماتحتی میں گویا کہ اس کا وزیر اس کی بیوی کو بنا کر ایک سلطنت چلانے کے لئے حکم دیا ہے۔

لیکن اکثر تو مرد حضرات صنف نازک پر ظلم کرتے ہیں۔انہیں جانور کی طرح استعمال کر کے سکون کی چیز ہی کو پرسکون رہنے نہیں دیتے ہیں۔بہت سے مرد غیر شرعی عمل کرتے ہیں۔مثلاً شراب وغرہ نشہ خوری کر کے، غیر عورتوں سے تعلق جوڑ کر اور جوئے سٹے بازی وغیرہ کھیل کر بیوی پر ظلم کر کے بیوی سے معتدل راہ اختیار نہیں کرتے ہیں اور بے چاری مظلومہ بچوں کو بھی پیدا کر کے ان کی بھی ضروریات کو اپنی صنف نازک کے باوجود محنت ومشقت کر کے کماتی دھماتی اور گھر چلاتی ہیں۔یہ ظالم مرد پھر بھی ان پر ظلم کرتے اور دھونس جما کر انہی پر حکم چلاتے ہیں۔جس گلاب کے پھول سے خوشبو حاصل کرتا ہے۔اسی کو مسلتا ہے۔اس طرح عورتوں کے جائز حقوق ادا نہیں کرتے ہیں۔

اسی طرح بہت سی موڈرن زمانے کی انگریزیت کلچر کی تہذیب میں تعلیم وتربیت میں پل بڑھ کر نکاحی بندھن میں ندھنے والی مرد صفات وخیال کی لڑکیاں "مرد" کے شرعی حقوق کو بالکل جانتی ہی نہیں ہیں۔جب جانتی ہی نہیں ہیں تو ان کے حقوق کو ادا کیسے کر پائیں گی؟ اسی سبب سے وہ اپنے شوہر کے درجہ کو سمجھتی ہی نہیں ہے۔وہ ہر کچھ میں اپنے سے بالمقابل کام مرد سے چاہتی ہیں۔کچھ ایسی انگریزیت چھاپ کی لڑکیاں بھی ہیں۔جن سے خوف ہے کہ آئندہ کہیں وہ مرد سے بچہ پیدا کرنے کے لئے بھی نہ برابری کرتے ہوئے مرد کے حقوق اس سبب سے بھی ادا کرنے سے کہیں رک نہ جائیں۔

واضح رہے کہ شریعت مطہرہ نے مرد اور عورت کے یکساں اور ضروری حقوق پیش کردی ہیں۔پہلے سے مرد کو عورت کا حاکم اور عورت کو مرد کے لئے وزیرخانہ مقرر کر کے بھیج دیا ہے۔اسی مناسبت سے دونوں کے لئے قوانین بھی مقرر کردی ہیں۔

چنانچہ بخاری میں عورت کے لئے قانون ہے "ولا تاذن بيته الا باذنه" کہ عورت اپنے گھر میں اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو نہیں آنے دے گی۔اسی طرح ہے "لا تصوم المراة و بعلها شاهد الا باذنه" کہ شوہر کی اجازت کے بغیر عورت نفلی روزہ (اور کوئی عبادت) نہیں رکھ سکتی ہے۔اسی طرح ہے" لا يجوز لامرة عطية الا باذنه زوجها" کہ بغیر شوہر کی اجازت کے کسی کا ہدیہ تحفہ بھی قبول نہیں کرسکتی ہے۔

اس لئے کوئی عورت ہو کہ مرد! بغیر شوہر کی اجازت کے وہ گھر میں داخل نہیں کرسکتی ہے۔اسی طرح حدیث ہے "لعن النبی ﷺ المنخشين من الرجال والمترجلات من الناسآء" کہ خواہ مخواہ مردوں والی صفت اختیار کرنے والی عورت پر حضور نے لعنت بھیجی ہے۔اس لئے بغیر اجازت کے وہ مرد کی طرح مرد والے کام بھی نہیں کرسکتی ہے۔پس عورت نکاح کے بعد اگر کمانا چاہے تو مرد سے اجازت لے کر شرعی دائرہ میں کماسکتی ہے۔اگر مرد منع کرے تو وہ کما دھما نہیں سکتی ہے۔کیوں کہ اس کے نان ونفقہ کی ذمہ داری مرد کے اوپر منجانب اللہ لاگو کے گئے قوانین میں سے ہیں۔

اسی طرح مرد سیکس کے لئے بلائے تو اس کے لئے اسے حاضر رہنا چاہئے۔اگر طبیعت میں کشا گی نہ ہو تو اطاعت کے ساتھ معذرت کر کے مرد کے پاس آ کر انہیں اپنی حالت بتا دینی چاہئے۔ جسے مرد کو بھی سمجھنا چاہئے۔اسی کا نام ارجسٹ منٹ اور بیلنس والا اور معتدل عمل کہا جاتا ہے۔یہی اخلاق حسنہ ہے۔حضور ﷺ نے حدیث بیان کردی ہیں کہ"

اَکمَلُ الْمُؤمِنِ اِیمَانًا اَحسَنُھُمْ خُلُقًا وَ اَلطَفُھُمْ بِاَھلِہٖ "ایمان والوں میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے، جس کے اخلاق اچھے ہوں اور وہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ لطف سے زندگی ذارنے والا ہو۔

حضرت حوا کو انسان کے بائیں پسلی سے پیدا کرنے کا مطلب یہی ہے کہ تم اسے پسلی سے قریب ترین اصل پارٹ "دل" سے ہمیشہ قریب رکھنا۔ سر سے اسلئے نہیں کہ سر پہ چڑھالینا، پاؤں سے اس لئے نہیں کہ اسے تم جوتی سمجھ لینا، بلکہ وہ "ھن لباس لکم و انتم لباس لھن " حکم الٰہی کے تحت ایک دوسرے کے لئے لباس کی طرح ہو کہ بغیر لباس کے جس طرح زندگی میں گذارہ نہیں۔ اسی طرح جس طرح لباس انسان کے بدن کے چمڑے سے چسپاں رہتا ہے۔ اسی طرح مرد عورت ایک دوسرے کے لئے انتہائی قریب ساتھی ہیں۔ ایک دوسرے کی ہمہ وقت ضرورت ہے۔ اس لئے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ جائز طریقے سے ہر حال میں چسپاں رہنا چاہئے۔

نیز صرف ایک دوسرے پر چسپاں ہی نہیں، بلکہ حضورﷺ نے بخاری شریف میں حدیث "الرَّجُلُ راعٍ فِی أھلِہٖ وَ ھُول مَسؤلٌ عَنْ رَعیَّتِہٖ وَالْمَراۃُ رَاعِیۃٌ فِی بَیتِ زَوجِھَا وَھِیَ مَسؤلَۃٌ عَنْ رَعَیَّتِھا" کہ "مرد" اپنے اہل و عیال کا راعی (چرواہا) یعنی نگراں ہیں اور اس کے بارے میں جوابدہ ہیں۔ اسی طرح عورت بھی اپنے شوہر کے گھر کی راعی ہیں یا اور وہ اپنے متعلقہ رعیت کے بارے میں جوابدہ ہیں" باضابطہ تنبیہ اور تاکید کردی ہیں۔

اسی لئے مرد کے اوپر عورت کے لئے اور عورت کے اوپر مرد کے لئے مناسب اور ضروری طور پر جو ذمہ داریاں ہیں۔ ان کے پورے نہ کرنے پر اللہ تعالی نے تنبیہ کی ہیں کہ وہ باز پرس بھی کریگا۔ اس طرح تاکید کر کے مرد کے اوپر ان میں سے کھانا، کپڑا، مکان، شرعی حدود میں عورتوں کی دیگر تمام خواہشات کو پورا کرنے کی ذمہ داری دی ہیں۔

پس مرد و عورت جس طرح ایک گاڑی کے اندر پہیے (ویلیں) اپنے اپنے سرکل میں فٹ ہو کر اپنی اپنی ذمہ داری ناچنے کی ناچتی گاڑی کو آگے بڑھاتی رہتی ہے۔ اسی طرح مرد اور عورت کی زندگی کی گاڑی کے یہ دونوں اندرون خانہ اور بیرون خانہ کے دو پہئے ہیں۔ مرد گھر کے باہر کے پہیہ ہیں اور مرد گھر کے اندر کے لئے پہیہ ہے۔ دونوں کو اپنے اپنے سرکل میں اپنی اپنی جگہ پر اللہ کی مرضی کے موافق فیٹنگ و تعلیم و تربیت کے محور اور کیل پر ناچتے ہوئے زندگی کی گاڑی کو چلاتے رہنا چاہئے۔ کوئی ویل (پہیہ) فیٹنگ کے بعد ناچنے میں اپنی مرضی سے نہیں ناچتا ہے بلکہ میکینک کے فٹنگ کے موافق ناچنے پر مجبور رہتا ہے۔

اسی طرح مرد اور عورت بھی نکاح کے بعد اپنی اپنی ذمہ داری کے سرکل میں ناچنے کے لئے مجبور ہیں۔ مرد اندرون خانہ میں عورت کو کوئی ہیچ نہیں کر سکتا ہے۔ البتہ حکم الٰہی کے تحت عورت کا بہت سے کام میں سپورٹ بطور اخلاقی مظاہرہ اور نیک شوہر ہونے کے کرنا چاہئے۔ اسی طرح عورت مرد کے بیرون خانہ کے کام میں کوئی دخل نہیں دے سکتی ہے۔ البتہ اخلاقی طور پر ضرورت کے موقع سے ضروری سپورٹ کرنا چاہئے۔ اسی کا نام ارجسٹ منٹ ہے۔ ایک نیک لڑکی اور لڑکے کا یہی مزاج منجانب اللہ فٹ کر دیا گیا ہے۔

مگر چونکہ اسے عمل کرنے میں خود مختاری بھی برائے امتحان اللہ تعالی نے دی ہیں۔ جس کا اکثر قانون سے ہٹے مرد

اورلڑکیاں اور خواتین کسی نہ کسی تیسرے ثالثی کے وسوسے اوراُسکانے سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔ چنانچہ بعض مرتبہ اس انگریزیت مزاج کی لڑکیاں ''بوائے فرینڈ'' شوق سے رکھتی ہیں اوراس کے چکر میں جائز نکاح ہوئے مرد کو کوئی ویلو نہیں دیتی ہیں۔

یہ بھی عام ہے کہ اکثر عورتیں اپنے والدین اور بہن بہنوئیوں کی مفاد کے تحت ظاہری محبت سے متأثر ہوکر اپنے شوہر کو لات مارتی ہیں۔اس کے ساتھ سلوک ایک شوہر کے موافق نہیں کرتی ہیں۔اس وجہ سے بھی زوجین میں نزاع پیدا ہوکر اتنا معاملہ بڑھ جاتا ہے کہ طلاق تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

سمجھدار قسم کے لوگوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ''زندگی برف کی طرح ہے۔نیک کام میں گذارنا چاہئے۔ورنہ یہ ہمیشہ برف کی طرح پگھل رہی ہے۔ایک وقت آئیگا کہ یہ ختم بھی ہوجائے گی۔اس پگھلنے والی زندگی کے لئے جبکہ موت کو برحق جانا جاتا ہے۔اس لئے اس میں ''مرضی'' چلا کر اللہ کے فیصلے پر اللہ سے جنگ کر کے اپنی ایسی کی تیسی خود نہیں کر لینی چاہئے۔عقلمند لوگ ہر کام میں ''الحمد للہ! علی کل حال! کہتے ہیں۔تقدیر پر مکمل ایمان لاتے ہیں۔بدنامی کے لفظ کو قریب آنے کے لئے ہمیشہ اچھا عمل اور صورت اختیار کرتے ہیں۔اپنوں اور رشتے داروں سے بلکہ ہر انسان سے محبت اور اخلاق کا رشتہ رکھ کر نام کماتے ہیں۔برے الفاظ سننے سے محفوظ رہتے ہیں۔دوسروں کو بھی محفوظ رکھتے ہیں۔

اسی طرح اسے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے صاف بتلادی ہیں ''اَعـمَـالُکُمْ عُمَّا لُکُم'' تمہارا عمل اور کرتوت ہی تمہارا بادشاہ اور سردار ہے''۔اسی طرح سورہ حدید کی آیت '' وهـو مـعـكـم اين ما كنتم والله بما تعملون بصير'' کہ تم جہاں بھی رہو۔اللہ تعالی تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے'' کو جانتا ہے۔اس لئے ہمیشہ ''اللہ کی مرضی'' اور ان کے کیمرے میں صحیح ریکارڈ ہونے والا عمل کرتا ہے۔منمو جی اور ''میری مرضی اور میری خوشی'' کا نہ دعوی کرتا ہے نا ہی اس کا خیال تک لاتا ہے۔بس رب کائنات کے ہر فیصلے پر راضی رہتے ہوئے جھگڑا، فساد، تنازع کو قریب تک نہیں آنے ہی نہیں دیتا ہے۔کسی تیسرے کو اپنے ماحول کو خراب ہونے کے لئے اپنے گھر نہیں ذہن تک گھسنے نہیں دیتا ہے۔وہ اللہ کی تاکید '' اذا جـآئَـكُـمْ فاسق بنباً فتبينُوا'' کے حکم پر سختی سے عمل کرتے ہوئے اپنے پاس تیسرے کی لائی ہوئی خبر کی خوب تحقیق کرتا ہے۔اگر وہ خبر صحیح ہوتی ہے جس سے دل خوش ہوتو اللہ کے حکم '' اصـلـحـوا ذات بينكم'' قانون پر عمل کر کے اپنوں ہی کے درمیان اصلاح کر کے متحد ہو جاتا ہے۔اگر خبر غلط نکلتی ہے تو تیسرے کی ریپیری کر کے اس سے دور اور ہمیشہ اس سے الارٹ رہتا ہے۔آپس میں اس ماحول سے جھگڑا ہونے ہی نہیں دیتا!

یادرہے کہ ''جھگڑا'' تو دو اجنبی مزاج کے یکجا جمع ہونے کے بعد لازمی چیز ہے۔مگر اس کا حل خود نکاح کے ساتھ زوجین کو زندگی گذارنے کے حکم دینے وے لے رب نے قرآن میں پیش کردی ہیں۔مگر اس حل کی طرف کوئی نہیں جاتا ہے۔وجہ یہی ''میری مرضی'' اور میری خوشی'' کا مزاج ہوتی ہے۔

خود حضور ﷺ کی بیوی حضرت عائشہؓ سے ایک بار ابن بن ہوگیا تو حضرت عائشہؓ اپنے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس جا کر شکایت کرنے لگیں۔پیچھے سے حضور ﷺ بھی جا کر حضرت عائشہؓ کی شکایت سننے لگے۔حضرت ابوبکرؓ

صدیقؓ نے بیٹی کی شکایت سن کر فوراً بیٹی ہی کو ایک طمانچہ مار کر تنبیہ کی شوہر اور سسرال کے خلاف شکایت نہیں کرنی چاہئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے لڑائی کرنا شروع کر دیا کہ آپؓ میری بیوی کو مارنے والے ہوتے کون ہیں؟

اس میں زوجین کے دونوں طرف کے لوگوں کو بہت قیمتی نصیحت مل گئی کہ ایک مرد کو اپنی بیوی کی غلطی پر ناراض نہیں ہونا چاہئے اور گھر سے باہر اگر اس نے کوئی شکایت کر دی تو بھی ساتھ بیوی ہی کا دینا چاہئے اس کا عیب بیان کسی کے پاس نہیں کرنا چاہئے۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ کو احساس ہوا کہ مجھے شکایت کرنا حقیقت میں نہیں چاہئے کہ جس باپ کے پاس شکایت کرنے آئے اس نے سپورٹر کرنے کے بجائے نکاح کے بعد جس ذمہ داری کو نبھا دی۔ اس کو دوبارہ وہ لینے کے لئے تیار نہیں۔ اس وجہ سے بجائے شکایت سن کر سپورٹ کرنے کے طمانچہ مار کر تعلیم و تربیت بیٹی کو دی کہ سسرال اور شوہر کے خلاف بولنے سے عزت نہیں اور زندگی بنتی نہیں بلکہ بگڑتی ہے۔ ایسا کسی بیوی کو نہیں کرنا چاہئے۔ اسی طرح بیوی کے اہل خانہ کو بھی اس میں تعلیم ہے کہ لڑکی اپنا دکھڑا سنانے آئے تو اسے صبر و تحمل کی تعلیم دے کر ہمیشہ جوڑنے کی تعلیم و تربیت کرنی چاہئے۔ اپنے داماد اور ان کے اہل خانہ کے خلاف جنگی محاذ قائم نہیں کرنا چاہئے۔

مگر آج کل اس حدیث کے بالکل خلاف صورت حال ہوتی ہے۔ لڑکی کے گھر والے اپنی لڑکی کا ایسا سپورٹ کرتے ہیں کہ اس کی زندگی جہنم بن جاتی ہے اور اسے احساس تک بھی نہیں ہوتا ہے کہ اس کی زندگی اجیرن ہو رہی ہے۔ بہت سے لوگ داماد سے مالی فائدہ کے سبب ایسا کرتے ہیں۔ بہت ساری لڑکیاں صرف شوہر سے مطلب رکھتی ہیں اور اس کے والدین اور اہل خانہ سے الگ رہ کر اپنے والدین اور اہل خانہ کے افرادوں سے تعلق رکھنے کی چاہت کے سبب شوہر سے جھگڑا کر تکلے یا تو اس کو والدین اور ان کے اہل خانہ خون خاندان سے جدا کر دیتی ہیں یا کہ پھر تنازع کو بڑھا کر ''طلاق'' لے کر بدنامی کا سہرا گلے میں ڈال لیتی ہیں۔ یہ سب من موجی، صرف دنیاوی زندگی کی بھرپور سہولیات کی چاہت اور ''میری مرضی و میری خوشی'' کے عقیدے ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

واضح رہے کہ ایسی لڑکیاں یا ایسے لڑکوں کا یہ رویہ یقیناً غیر شرعی ہے۔ یہ وہ لوگ خود اپنے اور اپنے اہل خانہ اور خاندان کی عزت و وقار میں دھبہ لگاتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ دھبہ لگ گیا تو چونکہ یہ کام ہو چکا۔ اس لئے جاننا چاہئے یہ اللہ کی طرف سے مقدر میں تھا۔ میاں بیوی کے غلط رویے اور بداعمالی کے سبب اسی کی عمل اس کے اوپر بری شکل میں ظاہر ہوا جو کہ منجانب اللہ اس کے لئے بُرا ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۱۷ میں کہتے ہیں ''مَن ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُم مِّنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءاً أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيّاً وَلَا نَصِيراً'' کہ ''اللہ کے علاوہ کوئی اللہ کی گرفت سے کسی کو کوئی بچا نہیں سکتا ہے۔ اگر وہ حدا تمہارے ساتھ کچھ برا ہونے کا ارادہ کسی سب سے بنا لیا ہے تو کوئی اچھا تمہارے ساتھ نہیں کر سکتا ہے۔ اس کے برخلاف وہ تمہارے ساتھ کچھ رحمت عطا کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو کوئی زحمت نہیں دے سکتا ہے۔ اس رب کو چھوڑ کر کوئی کہیں پر کسی بھی حال میں تمہارا ولی اور مددگار ہو ہی نہیں سکتا ہے''۔

چونکہ اللہ کے علاوہ کسی میں معاملے میں کوئی مددگار نہیں ہوسکتا ہے اور جو کچھ تقدیر میں انکی طرف سے لکھا جا چکا ہے۔ وہی ہوگا، اسی سورہ احزاب کی آیت ۲/اور ۳/ ''وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (۲) وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا (۳) کے مطابق الله تعالی نے بندوں کو حکم دیا کہ ''تمہارے رب نے جو اپنی طرف سے تمہارے پاس کرنے کے لئے وحی کی ہیں۔ قانون پیش کی ہیں۔ بس اسی کے مطابق اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے کام میں لگے رہو۔ تم جو کچھ عمل کرتے ہو۔ سب کو اللہ جان رہا ہے۔ اس لئے اپنے عمل میں بھروسہ بھی رب تعالی ہی پر کرو۔ اگر صرف اللہ تعالی ہی پر توکل و بھروسہ کر کے کام میں مصروف رہے اور دائیں بائیں کوئی کھیل نہیں کھیلے تو سن لو! تمہاری سرپرستی کے لئے اور کامیاب ہونے کے لئے وہی خدا کافی ہے''۔

اس لئے ہر انسان کو تقدیر کی اچھائی اور برائی پر اپنا یقین رکھنا چاہئے۔ انسان کو ایمان لانے کے بعد رب کے حکم کے موافق محض اپنی ''ذمہ داری'' ''عبادت و نیک عمل'' کرتے رہنے کی ہے۔ اللہ کے علم میں انسان کے عمل میں بھلائی نظر آئے گی تو اس کا نتیجہ صحیح نکل جائے گا۔ اگر بھلائی نظر نہیں آئے گی تو اس کا نتیجہ صحیح نکلے گا۔ اگر انسان کے عمل کا صحیح نتیجہ نکل گیا تو بھی اسے تقدیر کا حصہ سمجھ کر اللہ تعالی کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اترانا نہیں چاہئے۔ شیخی بگھارنا اور دوسروں کو نظر سے گرانا نہیں چاہئے۔

اسی طرح اگر اس کے عمل کا نتیجہ درست نہ نکلا، اور اس کا عمل بدنامی کا سبب بن گیا تو بھی اپنے عمل میں کمی کے سبب اس کو تقدیر کا حصہ ہی جاننا چاہئے۔ کسی پر الزام نہیں لگانا چاہئے۔ کیوں کہ اب اس عمل کے ہو چکنے کے بعد ہوئی ''بدنامی'' کو ''نیک نامی'' میں اور ''داغ'' کو بیداغ نہیں بنا سکتے ہیں۔ پس یقین کرنا چاہئے کہ یہ بھی تقدیر ہی کا حصہ تھا۔

ایسے سوچویشن میں لیکن فریقین میں سے جس نے دھوکہ دیا۔ اس کو اس کے دھوکے کے عمل کا بدلہ ضرور ملے گا۔ کچھ لوگ ایسے نڈر اور بدمعاش خیال کے قابیلی گروہ سے متاثر ہوتے ہیں جو ایک تو دھوکہ دے کر شرط و شرائط کے ساتھ نکاحی عمل لالچ میں کر کے اپنا نام کماتے ہیں۔ مگر شرط پر پورا خود نہیں اترتے اور پھر فریق ثانی سے معافی مانگ کر جرمانہ ادا کرتے ہوئے برباد بھی ہوتے ہیں اور خود بھی بدنام ہوتے ہیں اور فریق ثانی کو بھی بدنام کر دیتے ہیں۔ یہ چالبازی اور حریص لوگ ہی کرتے ہیں۔

میں تو یہی کہوں گا کہ فریقین کی تقدیر میں اس طرح بدنام ہونا لکھا ہوتا ہے۔ اس لئے ایک فریق جان بوجھ کر بھی دھوکہ کھاتا ہے اور دوسرا فریق عابد، زاہد اور خوب تجربہ کار، علمدار اور بہت سے خانقاہی نظام کا چولا پہننے کے باوجود اپنے مقابل فریق کو اپنی چرب زبانی سے دھوکہ دیتے ہیں۔ تقدیر کے سبب دونوں بدنام تو ہوتے ہی ہیں۔ مگر عمل کا اثر ایک فطری اور الگ چیز ہے۔ جس کا اثر دونوں فریقوں پر پڑتا ہے۔ یعنی یہ قانون ہے کہ ''عمل'' کرنے سے اس عمل کی قوت کے موافق مناسب اثر و نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔

جیسے یہ قانون فطرت ہے کہ ''چلنے'' سے جاندار آگے بڑھتا ہے۔ پس جو بھی چلے گا۔ جتنا چلے گا۔ جتنی قوت سے چلے گا۔ جس نیت سے چلے گا۔ اسی طرح چلنے کے جو قانون ہے، اس کے مطابق چلے گا، اسی طرح جس کیفیت و ایکشن

سے چلے گا، چلنے والا اسی کے موافق آسانی یا پریشانی سے آگے بڑھے گا۔ پس ''چلنا'' یہ الگ اور خاص عمل ہے۔ جس کے کرنے سے '' آگے بڑھنے کا عمل'' اور نہ چلنے سے جہاں ہے وہی رہنا یقینی ہے۔

پس چلنے کا عمل، چلنے کا عمل، چلنے والا، چلنے کے قانون سے اچھی نیت سے مناسب اور معتدل وصحیح کیفیت وا یکشن سے چلے گا تو اسی کے موافق چلنے والا نتیجہ پائے گا، اور جس نزل پر چلنے سے پہنچا گیا ہوگا۔ وہ خوش آئند ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر '' چلنے کا کام'' قانون کے خلاف من موجی طور سے، بری نیت اور دھوکہ دہی وفراڈ سے، غلط ایکشن سے کیا گیا ہوگا تو چلنے والا منزل تک ممکن ہے کہ پہنچ جائے، مگر وہ پہنچنے کے بعد تکلیف کا سامنا کرے گا۔ یعنی اس کو قانون رب کی روشنی میں آخری نتیجہ ناکامی، بدنامی، پریشانی اور خسارے کا ہی حاصل ہوگا۔

یہ حال انسان کے بدن کے ہر پارٹس کے داخلی اور خارجی دونوں صورتوں کے عمل میں ہے۔ دھوکہ دینے والا اور دھوکہ کھانے والا دونوں فریق شروع شروع میں اپنے اپنے مفاد کے حصول کے تحت خوش ہوتے ہیں۔ دھوکہ دینے والا اپنے دھوکہ بازی، چالبازی کو اپنی فراست وعقلمندی سمجھتا ہے۔ اپنے اس فراڈ عمل سے عزت پا جانا گمان کرتا ہے۔ اسی طرح دھوکہ کھانے والا بھی کچھ دنوں تک اپنے مفاد میں فائدہ کی امید لگائے بیٹھا ہوتا ہے۔ مگر نتیجہ سے دونوں لاعلم ہوتے ہیں۔ مگر ''اللہ'' تعالیٰ ان دونوں کے عمل کے نتیجے کو بھی جانتا ہے۔ کیوں کہ وہ خالق ہے۔ خالق اپنی مخلوق کے ہر گوشے سے جانکاری رکھتا ہی ہے۔ اسے جاننا بھی چاہئے۔

یہی حال نکاحی عمل میں بھی انسٹال ہے۔ پس اس عمل میں بھی فریقین میں سے کسی کا بھی عمل، ایکشن، حرکت، نیت '' چلنے'' کے قانون سے ہٹ کر فراڈ، دھوکہ اور حرص و لالچ وغیرہ کے ساتھ ہے تو اس میں بھی نتیجہ غلط یعنی بدنامی اور پریشانی کا ہی ملے گا۔ البتہ دھوکہ دینے والے فریق کی حرص و لالچ والے فتور نیت کا وبال اس فریق پر بھی خواہی نخواہی پڑ جاتا ہے۔ اس صورت میں دھوکہ باز کو منجانب اللہ دھوکہ کھانے والے مظلوم کی طرفداری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ شدید عذاب دیتا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ظلم کو اور ظالم کو پسند نہیں کرتا ہے اور مظلوم کے ساتھ ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ اللہ کی طرف سے عذاب کا ایک مقررہ وقت ہوتا ہے۔ جسے دھوکہ دینے والا نہیں جانتا ہے۔ اسی کو رب کائنات کا قانون سورۂ فاطر ر آیت نمبر ۱۸ر میں اعلان کرتا ہے ''مَن كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعاً إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَمَكْرُ أُوْلٰئِكَ هُوَ يَبُوْرُ'' کہ جو شخص اپنی عزت کے لئے ارادہ کرتا ہے تو وہ جان لیں کہ عزت تو صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔ کیوں کہ اسی رب کی جانب ہر اچھی چیز عروج کرتی ہے۔

لیکن یاد رہے کہ جو فریب اور دھوکہ کرتا ہے۔ برے عمل سے کام انجام دیتا اور صرف اپنا مفاد حاصل کرتا ہے۔ وہ (وقتی طور پر فلاح وعزت کو سمجھتا ہے) حقیقت میں ایسے لوگوں کے کرتوت کے سبب اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دیتے ہیں (یعنی اس معاملے میں عوام الناس میں یہی برے نام سے جانا جاتا ہے)۔

چونکہ دھوکہ دینے والے فریق کا عمل اللہ اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لئے اس خلاف

ورزی کے قانون ربانی قرآن مجید کے سورۃ "احزاب" کی آیت نمبر ۵۷/" إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا" کے ذریعے واضح کر دیا ہے کہ "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت اور نافرمانی کرتے ہیں۔اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت آخرت اور دنیا دونوں کی زندگی میں ہوتی ہے۔نیز ان کے لئے بہت ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر کے رکھا ہے۔

اس کے علاوہ جو دھوکہ باز اور فراڈ گروہ اور فریق دھوکہ دے کر مدمقابل فریق کو نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ مؤمنین اور مؤمنات یعنی پاکدامن لڑکیوں کے خلاف شکوہ شکایات اور الزام تراشی کر کے چونکہ "بہتان" کستا ہے۔وہ جتنا اپنی زبان سے حق بات ظاہر کرے اور قسم پر قسم کھائے۔مگر اس سے کوئی فائدہ نہیں۔اللہ تعالیٰ سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۵۴/ میں اعلان کرتا ہے "إِن تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ٥" کہ چاہے تم کچھ چیز کو چھپاؤ یا کہ ظاہر کرو۔یہی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمامی حالات کو جانتا ہے"۔

اس لئے دھوکہ دے کر شادی کرنے والے فراڈ، چور، "چٹّا" اور جہیز کے حریص شخص جو نیک فریق کو سنت سنت کی تسبیح اور روزہ نماز پڑھتے ہوئے اسلامی چادر میں لپٹ کر دھوکہ دیتے ہوئے جہیز اور مال دولت کے لئے بھی حرص کر کے "بلیک میل" کی صورت لگا کر جہیز کی لعنت میں خود بھی گرفتار ہوتے ہیں اور سامنے والے کو بھی اس لعنت کے طوق کو پہنا دیتے ہیں۔اس طرح "طلاق" کی لعنت میں گرفتار ہو کر اور دوسروں کو بھی گرفتار کر کے مزید گناہ کا ڈھیر جھوٹ، غیبت، الزام تراشیوں اور بہتان لگا کر بھی عوام الناس میں بدنام کر کے اور خود کو "ص" اور بالکل صاف وشفاف ظاہر کرتے ہیں۔

حالانکہ یہ کمینے حضرت آدم علیہ السلام کی بگڑی اولاد قابیل نسل والے کام کرتے ہوتے ہیں۔ان کمینوں اور سوروں کے ساتھ ساتھ جس کی شکایت کی جارہی ہوتی ہے۔اس معصوم شخصیتوں کے حق میں، شریعت کے مطابق ہوے نکاح اور میاں بیوی میں کسی سبب سے نباہ نہ ہونے کے سبب اللہ کے حکم " و ان شقاق بينهما .....کے تحت شریعت کے مطابق واقع ہوئے "طلاق/یا خلع"، کو سن کر، اسے "عیب" تصور کر کے معصوم کے دشمنان اور حاسدین قسم کے "چٹے، سور اور شیطان" لوگ بھی خوب مزہ اڑانے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

درحقیقت یہ چٹّے لوگ وہ بدنصیب لوگ ہیں جو صرف "طلاق شدہ" لڑکی/یا لڑکے اور ان کے اہل خانہ ہی کا مذاق نہیں اڑاتے ھیں، بلکہ وہ رسول کائنات حضرت محمد ﷺ کا بھی مذاق اڑاتے ھیں۔لیکن ان سوروں کو "دین اسلام" کا صحیح علم نہیں ہوتا ہے۔انہیں جاننا چاہئے کہ ایسے طلاق شدہ جوڑے "عیب دار" نہیں بلکہ دیندار" اور شریعت پر عمل کرنے والے ہوتے ہیں۔

کیوں کہ حضور پرنور ﷺ کی بیٹی حضرت ام کلثوم کو بھی ان کے شوہر یعنی حضور ﷺ کے داماد "عقبہ" بن ابولہب نے حضور ﷺ نے جب تبلیغی کام کے لئے اعلان فرمایا تو حسد وجلن اور دشمنی میں آ کر اپنے باپ ابولہب شیطان کے حکم پر "طلاق" دے دی تھی۔اسی طرح خود کائنات میں مکمل بے عیب شخصیت، مقصود کائنات حضرت محمد ﷺ نے اپنے بعد حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے بارے میں خلیفہ بننے کی بات بطور راز کے اپنی تیسری بیوی حضرت حفصہؓ سے کہہ کر تنبیہ کی

تھی کہ کسی کو نہ بتائیں۔مگر حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے بتادی۔انہوں نے پھر حضورﷺ سے،اس بارے مین سوال کر دی۔اس وجہ سے حضرت حفصہؓ کو حضورﷺ نے طلاق بائین دے دی تھی۔اگر چہ پھر رجوع کر لی تھی۔مگر آپ ﷺ کے گھر میں ''طلاق'' کا وقوع تو ہو گیا۔

اس پر منافقین لوگوں نے آپ ﷺ کو بھی بہت بدنام کیا۔حالانہ لیکن آپ ﷺ کے گھر میں ہوئی ''طلاق'' غیر شرعی طور پر ہو کر کوئی ''عیب'' نہیں تھی۔کیوں کہ سید المرسلین وخاتم النبین کی نورانی ذات کی ایک بیٹی حضرت ام کلثومؓ ایک کافر کے گھر میں رہنا عیب تھا۔جس سے اللہ تعالی نے بلکہ عقبہ سے ہٹا کر صاف کر دیا۔

اسی طرح ایک نبی ﷺ کی بیوی راز دار نہ ہوں۔یہ غیر شرعی عمل تھا۔اس لئے حضورﷺ نے اپنی بیوی حضرت حفصہؓ کو ''طلاق'' دے کر تعلیم دی کہ آئندہ ایسا نہ کریں۔کیوں کہ آپ ﷺ پوری کائنات کے لئے رہبر اعظم اور معلم کل تھے۔آپ ﷺ نے امت کو تعلیم دی ہیں۔جیسا کہ مقدمہ مسلم میں حدیث منقول ہے ''کفٰی بالمرءِ کَذِبًا أَنْ یُّحَدِّثَ بکلِّ ما سمعَ'' کہ'' آدمی کے لئے جھوٹے ہونے کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ کوئی بات کسی سے سنے اور کہیں پر جا کر (اس طرح) نقل کر دے کہ کہنے والے کو تکلیف ہو اور اس سے جھگڑا شروع ہو جائے۔چونکہ یہ تعلیم دینا مقصود تھا۔اس لئے یہ بھی ''عیب'' نہیں۔بلکہ شریعت پر عمل کرنا تھا۔اسی طرح آپ ﷺ کا یہ طلاق کا عمل اور آپ کی بیٹی کے طلاق کا واقعہ،امت کے کسی بھی گھر میں شریعت کے مطابق واقع ہو تو وہ ''عیب'' نہیں۔بلکہ اللہ تعالی کے حکم مطابق ہی عمل کرنا ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک صحیح مسلمان کا کام ''طلاق'' بلکہ اپنے ہر معاملے میں شریعت کے مطابق ہی عمل کرنا چاہیئے۔کیوں کہ شریعت کے حکم کے موافق عمل کرنا ''عیب'' اللہ تعالی کے حکم پر عمل کرنا اور شریعت پر عمل کرنا ہی کہلاتا ہے۔جس پر بھی ثواب ملتا ہے۔اسی وجہ سے ایک مسلمان کا شریعت کے مطابق پاخانہ کرنا، پیشاب کرنا،حتی کہ بیوی سے سیکس کا عمل تک کرنا بھی شریعت ہی پر عمل کرنا اور ثواب ہی کا کام ہے۔یہ امت محمد یہ ﷺ ہی کی فضیلت ہے۔یہ عین شریعت اور اللہ کے حکم عمل کرنا ہے۔

مگر عقل کورے،شریعت سے ناواقف اور اندھے ''قابیل'' بن آدمؑ کی نسل کے '' چیٹے اور سور'' دماغ کے لوگ صحیح سوچویشن کو تو نہیں دیکھتے اور سمجھتے ھیں اور بس کسی کے حالات سن کر شکوہ شکایات اور مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہین۔عموما یہ وہی چھٹے لوگ کرتے ہین،جن کے اندر عیبوں کے کوڑے کا ڈھیر لگا ہوتا ہے۔

نیز ان میں سے کسی کی ماں،تو کسی کی دادی،تو کسی کی بہن،تو کسی کی بیوی،تو کسی بیٹی،تو کوئی خود ہی ''قابیل اور اقلیما بنت آدمؑ کی طرح بے راہ روی اور نافرمانی کرتے ہوئے ''اِدھرا، اُدھری'' والا شیطانی عمل کی نقل کر کے داغدار ھیں۔حد تو یہ ہے کہ بہت سے شکایت کرنے والے جاھل مسلمان کے نام پر یہ اس معنی کر کے ''دھبہ'' ہیں کہ وہ غیر مسلم لڑکے لڑکیوں سے حرام رشتے جوڑ کر اپنے سماج ہی کے سامنے ڈھیٹ بن کر ناپاک زندگی گذار رہے ہیں۔

مگر اپنی شہتیر ان کمینوں اور سوروں کو نظر نہیں آتی۔لیکن شریعت کے حکم '' فَانکحوا مَا طاب لکم من النسآء''

کہ تم پسندیدہ مر (اورعورتوں سے نکاح کرلو' کے مطابق نکاح کر کے پھر آپس میں کسی وجہ سے بناؤ نہ ہونے کی صورت میں بھی قرآن مجیداور شریعت نے'' أَنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَ حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا أَنْ يُّرِيدَآ أَصْلَحًا يُّوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا أَنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ہ'' دفعہ وقانون کے ذریعے حکم دیا ہے کہ'' نکاح کے بعد اگر زوجین کے درمیان ایسا ان بن ہو جائے کہ نبھاؤ مشکل ترین امر بن جائے تو بھی پہلے آپس میں دونوں طرف سے حکم اور فیصل رکھ کر سمجھوتے کی بات کرو۔ اگر اس صورت سے بھی رشتہ توڑ کر ہی دونوں کی زندگی مفید نظر آئے تو پھر (میرا حکم اس صورت میں بھی یہ ہے کہ)'' اب دونوں الگ حسن خلق سے ہو جاؤ''۔

اللہ رب العزت کے اسی حکم کی روشنی میں ایک شرعی جوڑے کے ے درمیان اگر نبھاؤ مشکل ترین امر ہو جائے تو اسی شریعت کے حکم کے مطابق عورت'' مہر دین کے عوض ''خلع'' لے کر اور مرد'' طلاق'' دے کر اپنی اپنی آزادانہ زندگی گذارنے کے لئے سکون کے ساتھ صورت لگالیں۔ اس طرح میاں بیوی کا الگ ہو جانا'' عیب'' نہیں۔ بلکہ اللہ کے حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے دینداری ہی ہے۔

مگر دیندار قسم کے اس طرح کے شرعی عمل والے حالات سن کر جو لوگ خود'' اُدھرا اُدھری'' ہیں۔ جن کی ماں، بیٹیاں، بہوئیں اور وہ خود غیر شرعی طور پر عیب و داغدار، زنا کار، بدتمیز اور بدنام زمانہ لوگ ہیں۔ وہی الوگ دینی حکم کے عین موافق طلاق و خلع کے شرعی حکم پر عمل کرنے والے دیندار لوگوں پر انگلی اٹھاتے اور مذاق اڑاتے ھیں۔

یاد رہے کہ ایسے فراڈ اور چھٹے لوگوں کی ''نیت'' کو اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔ وہ اپنے علم کے مطابق کسی دھوکہ باز، حریص اور لالچی کو عذاب دینے سے گریز نہیں کرتا ہے۔ یقیناً اس کے لئے دردناک اور نہایت ذلیل کرنے والا عذاب اللہ کے پاس تیار ہے۔ اس لئے ایسے لوگ اپنی سانس رکنے سے پہلے پہلے توبہ تلا کر کے فریق ثانی سے معافی مانگ کر اپنے معاملے میں تصفیہ کر لیں اور غلطی کا احساس و اقرار کر کے شکوہ شکایات اور الزام تراشی سے پرہیز کر کے عنداللہ عذاب سے بچ جائیں۔ اس کے برخلاف فریقین میں سے جس نے دھوکہ کھایا ہے۔ اس کے لئے اس ''شر'' والے عمل میں پھنس جانے کے سبب وقتی طور پر ناکامی اور غم جس طرح کہ ''بدبو'' کے پاس رہنے یا گذرنے یا کسی کے گرا دینے کے سبب بدبو سونگھ جانا، لازم ہوتا ہے، اسی طرح دھوکہ دینے والے کے ''فراڈ'' اور ''سور'' والے اور ''چٹّاپن'' عمل کے اثرات سے متأثر ضرور ہوتا ہے۔ جس میں اللہ اس کی مدد ضرور کرتے ہیں اور اسے اس ''شر'' میں سے اس کے لئے ''خیر'' کو ظاہر کر دیتا ہے۔

کاش کہ دھوکہ باز شخص جو ''میری مرضی'' کے عقیدے سے کر گذرا سو کر گذرا۔ مگر اپنے کئے کے سبب جب مصیبت کے دلدل میں پھنس گیا تو اس وقت میں بھی اللہ کی طرف رجوع کر کے توبہ تلا کر کے اپنی زبان پر لگام لگاتا اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہونے سے بچ جاتا! مگر دنیاوی جاہ جلال کو باقی رکھنے کی خاطر اس کے برے حالات کو لوگ سن سن کر جب معلومات کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ جھوٹ پر جھوٹ، قسم پر قسم اور مزید روحانی بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہی چلا جاتا ہے۔ مگر ''میری مرضی'' کے عقیدے کو طلاق نہیں دیتا!

جس طرح شادی بیاہ میں طرفین کے لوگ اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے ہیں۔ اسی طرح شادی ہو جانے کے

بعد دھوکے میں پھنسے فریق کو جو، ان کے متعلقین اور دوست وفرینڈ خصوصاً پڑھے لکھے اور عالم اور دانشوران قوم کے نام پر دھبہ قسم کے لوگ بھی جو لڑکے یا لڑکی کی مرضی کے بغیر ہوئے کام خصوصاً ''شادی'' کے جوڑوں کو ان کے ناپسندیدگی والے عیبوں کو اٹھا اٹھا کر اور بول بول کر دل خراب کر کے رشتے کو توڑوانے اور زندگی کو بدنام شکل میں آجانے کی غلط کوشش کرنے والے لوگ بھی اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے ہیں۔ کیوں کہ ''تقدیر'' اس عیب نکالنے والے شخص کے ہاتھ میں نہیں۔ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی رب کے ریموٹ کنٹرول سے کائنات اور اس کے اندر کی تمام چیزیں حرکت میں ہیں۔

آج بخوبی تمام لوگ جانتے ہیں کہ انسان کہیں سفر کرتا ہے۔ اس کا کسی حال میں ایکسیڈنٹ نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن اچھے خاصے لوگ ''پکنک'' منانے، مال میں خریداری کرنے، شادیوں میں اور اپنی خوشی کے پروگرامس میں شرکت کرنے ،دور، دور اپنے اپنے مقصد وغرض سے سفر کرنے جاتے ہیں۔ ان میں سے بہت لوگ ایکسیڈنٹ سے ایمیڈ یٹلی یعنی فوراً اور اچانک ''مر'' کر خاک وراکھ ہو جاتے ہیں۔ ان جگہوں میں کیوں نہیں لوگوں کی ''مرضی'' چلی۔ اس لئے کسی بھی انسان کو یہ جملہ ہر گز کسی بھی معاملے میں بھی نہیں بولنا چاہئے۔ نا ہی اس کے لئے ضد کرنی ہے کہ ''فلاں'' کام میں ''میری مرضی'' سے نہیں چلی''۔ ''فلاں'' کام میری مرضی سے نہیں ہوا۔ اس لئے میں اس کام کو نہیں مانوں گی۔ نہیں کروں گی!

اللہ تعالی نے بندے کو اگر چہ کام کرنے کے لئے اس دنیا میں ''اختیار اور مرضی'' اگر چہ دی ہیں۔ لیکن اس کو ''مرضی و اختیار'' دینے کا مطلب غلط راہ پر چلنا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کی چاہت ہے کہ بندہ اپنی ''مرضی'' سے نہیں، بلکہ اللہ کی مرضی'' سے چل کر ''جنت'' اور'' آرام وسکون'' کی جگہ پہنچ جائے۔ کیوں کے کسی چیز کو بنانے والا ہرگز یہ نہیں چاہتا ہے کہ میری بنائی ہوئی چیز غلط یوز ہو۔ وہ تکلیف میں جا کر ''برا'' نام سے پہچانی جائے۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ میری بنائی ہوئی چیز کا نام اچھے طریقے سے لیا جائے۔ اسی لئے بندے کو اپنے بڑے اور خصوصاً اپنے پالنے والے کی مرضی اور چاہت کو محسوس اور ادراک کر کے'' کیا بولنا چاہئے۔ اپنے معاملات میں کیا عقیدہ رکھنا چاہئے۔ جسم کے پارٹس سے کس طرح کام کرنا چاہئے، اللہ تعالی کے فرمان قرآن مجید کو دیکھ دیکھ کر، سن سن کر، پڑھ پڑھ کر، کرنا چاہئے۔

اس تعلق سے اپنے کلام قرآن مجید میں'' اُفَوِّضُ أَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ'' أَنَّ اللّٰہَ بَصِیرٌ بِا لْعَبَادِ'' کے ذریعے بتلا دیا ہے کہ'' اپنے تمام کام ومعاملات کو اللہ تعالی کی طرف ہی سونپ دو''۔ اسی طرح تمام کام کو اللہ کے سونپ دینے کے بعد کسی بھی معاملے میں تنہا یعنی صرف اور صرف اپنی محدود میموری وعقل پر مکمل بھروسہ کر کے کوئی'' کام'' مت کرو۔ بلکہ اس کے لئے اپنے سے بڑے، اور زیادہ میموری اور عقل والے صاحب الرائے، خیر خواہوں سے'' وشاورھم فی الامر'' قانون الٰہی کی روشنی میں'' مشورہ کرو''۔ مشورہ لینے میں سب سے زیادہ صحیح رائے دینے والی ذات ''اللہ'' تعالی کی ہے۔ اس لئے پہلے'' اطیعو اللہ'' کے قانون کو'' فالو'' کرتے ہوئے ''اللہ'' تعالی کے کلام'' قرآن مجید'' کو اِسٹڈی یعنی مطالعہ کر کے'' اللہ'' سے ہی اپنے معاملات میں مشورہ کرو۔ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے، اسی رَب سے'' لو'' اور'' امید'' لگا کر اپنے کام میں صحیح نتیجہ پانے کے لئے دعاء کرو۔ اسی کو'' استخارہ'' کرنا کہتے ہیں۔

اس کے بعد چونکہ رَب کو دیکھنے اور ملنے کی طاقت انسان کے اندر اس کے محدود قوت کے سبب اللہ کے'' نور'' کی

فارن ہائٹ روشنی کی وجہ سے نہیں ہے۔ اس لئے ان تک پہنچنے اوران تک پہنچانے والا صحیح راستہ ''اطیعوالرسول'' کے قانون ''اِطاعتِ رسول'' ﷺ کے قانون کا ''فالو'' کرتے ہوئے، رسول اللہ ﷺ کے الٰہی مشورے کو احادیث سے معلوم کرو! اس کے بعد ''اللہ'' تعالی کے فرمان وقانون ''اُولی الامر منکم'' کے مطابق تیسرے نمبر پر ''اللہ'' اوران کے رسول ﷺ کے قانون کے جاننے والے اپنے انسانوں میں سے اپنے بڑوں میں سے صاحب الرائے (والدین، ان کے درجہ اور عمر کے لوگ، اساتذہ اور شرعی و دنیوی دونوں طرح سے معاملہ فہم) لوگوں سے شرعی روشنی سے مشورہ کر کے، اپنے کام کا حل تلاش کرو۔

چونکہ خود رَسول اللہ ﷺ بھی ''اللہ'' کے ہی تابع اور فرماں بردار ہیں، اور اتنے اطاعت گذار تھے کہ ''قرآن'' کو ایک بار قانون کے خلاف جلدی جلدی حضور ﷺ پڑھنے لگے تو اللہ تعالی نے ''لا تحرك به لسانك لتعجل به'' جملے کے ذریعے فوراً اللہ تعالی نے روک لگا دی تو آپ ﷺ فوراً رُک گئے۔ اسی طرح ایک بار ایک جائز چیز ''شہد'' کو رسول اللہ ﷺ نے میاں بیوی کے درمیان جھگڑے کے سبب نہ کھانے کے لئے، قسم کھالی تو فوراً ''اللہ تعالی'' نے حضور ﷺ کو ڈانٹ پلائی اور اس قسم کو توڑ دینے کے لئے حکم دیا۔

ایسے کئی معاملے ہیں۔ جن میں حضور ﷺ کو خود اللہ تعالی نے منع کیا۔ اللہ تعالی کے منع کرنے کا یہی معنی تھا کہ اے پیغمبر! ﷺ آپ ﷺ میرے لاڈلے اور چہیتے اور ساری کائنات کے سردار ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ میرے فولڈر اور سرکل سے نکل کر ''میری مرضی'' کے عقیدہ کو دل میں بیٹھا کر اسی کے موافق چل کر اپنے سکون وآرام کی حالت کو بگاڑ لو! آپ ﷺ کو اختیار دینے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ! اب آپؐ کو خدا کے فرمان کی ضرورت نہ رہی! نہیں! بلکہ رسول اللہ! ﷺ سے اللہ تعالی نے فرمایا کہ! اے میرے نبی ﷺ! ''میری مرضی'' مت کہو! اور اپنا عقیدہ یہ مت رکھو کہ ''جو چاہوں گا، وہ ہوگا۔ جو چاہوں گا وہی کروں گا! بلکہ ہر حال میں ''اللہ کی مرضی'' کہو! کیوں کہ تم جو چاہو گے، وہ ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ ''اللہ'' جو چاہے گا۔ وہ ہوگا! تم کو تو اختیار اور مرضی سے کام کرنے کے لئے جو آزادی دی ہے۔ وہ دنیا میں امتحان کے لئے ہے۔ ہر امتحان دینے والا اسٹوڈنٹ اپنے استاذ کی پڑھائی اور دی ہوئی تعلیم اور چاہت کے مطابق امتحان دے کر کامیابی چاہتا ہے۔ اسی طرح اس دنیا کے دارالامتحان (امتحان حال) میں اللہ کی مرضی کے مطابق رویہ اور اپنا عمل یعنی امتحان کا پرچہ لکھنا چاہئے۔ تاکہ وہ رب خوش ہوکر خوشی کے ماحول کو پیدا کر دے۔ اس میں بھی اس کی مرضی کہ وہ تمہارے لئے کیا بھلائی دیکھتے ہیں۔

اس طرح سے وہ لوگوں کو پاس اور فیل کرتا ہے۔ انسان کی مرضی کا ہر کام ضروری نہیں کہ ہو ہی جائے۔ اکثر مواقع سے انسان کام کرتا تو ہے۔ مگر وہ فیل ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اس کی تقدیر میں نہیں تھا۔ اس میں اللہ کی مرضی نہیں تھی۔ اس لئے نہیں ہوا۔ کون نہیں چاہتا ہے کہ ہم ہمیشہ زندہ رہیں۔ مگر جب ''إِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ سَاعَةً لا يستقدمُونَ وَلَا يستاخِرُونَ'' کے مطابق اس کی تقدیری فیصلہ کے موافق کسی کی موت ''تقدیر'' کے موافق ''وقت'' پر جب آجاتی ہے تو کوئی اُسے بچا نہیں سکتا ہے۔ نوے ۹۰/ سال کی بوڑھی ماں اور بوڑھے باپ کو جو بالکل لاچار اور بیڈ پر پڑے ہوتے

ہیں، اولاد یہی چاہتی ہے کہ کسی طرح یہ زندہ رہیں۔ان کے زندہ رکھنے کے لئے اَربوں، کھڑبوں بلکہ لاتعداد، روپے ڈاکٹروں کو کھلاتا رہتا ہے۔مگر پھر بھی انسان اپنی مرضی سے انہیں بچا نہیں پاتا ہے۔ یہاں تک حضرت محمدﷺ کی بھی ان کی زندگی میں خود کی مرضی کبھی نہیں چلی۔

اس لئے جاننا چاہئے کہ عام انسان کیا! خود پیغمبر خداﷺ کی ''مرضی'' سے کوئی کام نہیں ہوا۔نا ہی آپﷺ ابھی زندہ ہیں۔ بلکہ آپﷺ بھی اس کائنات سے تقدیر کے لکھے ہوئے کے مطابق پردہ فرما چکے ہیں۔ورنہ خود رسول اللہ ﷺ کی بھی یہی مرضی تھی کہ میری تبلیغی محنت سے سارے لوگ مسلمان ہی بن جائیں۔خاص طور سے اپنے سگے چچا ''ابوجہل'' کے بارے میں ایک بار سوچ رہے تھے کہ وہ مسلمان بن جائیں! اس پر اللہ تعالی نے فوراً ''أَنَّكَ لَا تَهْـــدِي مَنْ اَحْبَبْتَ'' اپنا کلام نازل کر کے فوراً تنبیہ کی کہ! اے نبیﷺ! آپﷺ کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے ہیں۔ بلکہ ہدایت پر وہ آئے گا، جسے میں چاہوں گا۔کیوں کہ ہر جگہ ''میری مرضی'' چلے گی۔تیری نہیں! جس کے لئے تو ہدایت پا جانے کے لئے سوچ رہا ہے۔اس کیلئے ہدایت کا سوچویشن ہے یا نہیں۔ یہ تم نہیں جانتے ہو۔میں جانتا ہوں۔میرے حکم ''بلغ ما انزل الیك'' کے مطابق تیری ذمہ داری صرف اور صرف میرا قانون لوگوں تک پہنچا دینے کی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالی نے چوتھے پارہ کی آیت ۷۳،۷۴/ میں واضح کردی ہیں کہ ''جو (اللہ اور انکے رسولﷺ کے) دین کی باتوں کو نہیں مانیں، ان کی باتوں کو تم بھی نہ مانو۔(اور یاد رکھو! جو لوگ دین الہی کو نہیں مانتے ہیں تو کیا ہوا؟ اس سے اللہ کو کیا بگڑے گا! حقیقت میں تو اسی کا بگڑے گا۔کیوں کہ) فرمان الہی قرآن مجید کے پارہ ۴/ کی آیت ۷۳/ ''قُلْ إِنَّ الْهُدَى هُدَى اللَّهِ أَن يُؤْتَى أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيتُمْ أَوْ يُحَآجُّوكُمْ عِندَ رَبِّكُمْ'' کے موافق یہ واضح طور پر خود حضورﷺ کو اللہ تعالی عام لوگوں سے کہہ دینے کے لئے فرما رہے ہیں کہ اصل ''ہدایت'' تو بس اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہی ہے، وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے ہدایت دیتا ہے۔جو لوگ اُلٹی باتیں اور اپنی ہی مرضی کی ضد والی باتیں ہی کرتے ہیں (دراصل یہ آیت یہودیوں کے من موجی باتیں کرنے کی وجہ سے اللہ تعالی نے انہیں تنبیہ کرنے کے لئے نازل کی۔چونکہ وہ لوگ حضورﷺ سے ''حسد'' میں تھے اور اب بھی ان یہودیوں کی ذریت حضورﷺ کو ''نبوت'' اور آسمانی کتابیں کیوں مل گئی؟ حسد میں تھے۔حضورﷺ کو اللہ تعالی انہی یہودیوں کی شرارت کے بارے میں بوجہ ''حسد'' بتلا رہے ہیں کہ ''اے میرے نبیﷺ! آپﷺ اپنے مخالفین یہودیوں کو بتلا دیجئے کہ مجھے نبی ورسول بنا کر بھیجنا یہ اللہ کی مرضی سے ہے۔تیری مرضی اس معاملے میں نہیں چلے گی۔

مگر یہ حکم یہودیوں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ اشارۃ النص یعنی آیت کے عام وظاہر معنی سے اشارتاً تمام بدمعاش اور ضدی قسم کے من مانی کرنے والے اور اللہ، رسولﷺ اور اولوالامر شخصیات میں سے کسی نصیحت اور قانونی و درست باتوں کو نہ ماننے والوں کے لئے ایک الہی نصیحت کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ) ''من موجی'' اور اپنی ہی ''مرضی'' کی باتیں جو بھی کریگا۔اسے کوئی فائدہ نہیں! اسی لئے یہودیوں کو اللہ کی مرضی کے مطابق ہر کام ہوتا ہے بتلا دینے کے بعد لگے ہاتھ یہ بات بھی صاف کردی کہ حضورﷺ کو رسول کائنات بنا کر بھیجنا یہ ان کے اوپر میری طرف سے فضیلت

ہے۔اس لئے کہ میں خالق کائنات ہوں۔ ہر معاملے میں میری مرضی چلتی ہے۔میرا قانون ہے'' إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (۷۳) يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (۷۴) کہ ''فضلیت و بلندی اور عزت افزائی اللہ کے ہاتھ واختیار میں ہے۔اللہ جسے مناسب اور باصلاحیت جانتے ہیں۔اسے اپنی رحمت وفضیلت سے نوازتے اور خاص کرتے ہیں۔

اس قانون الٰہی کی روشنی میں ''فضیلت'' یقیناً اسی کو ملتی ہے، جسے اللہ چاہتا ہے،اور اپنی رحمت کے لئے اللہ تعالی جسے چاہتا ہے، اسی کو منتخب کرتا ہے (پس کسی کے اطاعت وفرماں برداری اور نیک عمل کے سبب اپنی فضیلت سے بخشتا ہے تو وہ اس پر فضل ہے۔کیوں) وہی فضل عظیم کا مالک ہے۔

اس لئے کسی بھی انسان کو یہ جملہ ہرگز کسی بھی معاملے میں بھی کسی کی فضیلت پر، کسی کی بلندی پر، کسی کی تنزلی اور عیب پر، کسی کے حالات خراب ہونے اور ذلت والے سوچویشن پر، مذاق اڑانا حرام ہے۔ایسے لوگ اس وقت تک نہیں مریں گے جب تک اسی تکلیف میں پڑ کر جب تک ذلیل نہ ہوجائے۔اس لئے ''میری مرضی اور خوشی'' بھی ہرگز کسی کو کسی معاملے میں نہیں بولنا چاہئے۔نا ہی اس کے لئے ضد کرنی ہے کہ ''فلاں کام میں میری مرضی نہیں چلی''۔فلاں کام میری مرضی سے نہیں ہوا''۔

ہاں! مرضی کے موافق کام کے لئے جدو جہد اور کوشش کرنی ہے۔جیسی کوشش! ویسا نتیجہ! پھر تقدیر کا بھی اس میں حصہ الگ! پس قرآن کہتا ہے'' لیس للانسان الا ماسعی ''انسان کو اتنا ہی ملتا ہے، جتنا کہ وہ کوشش کرتا ہے۔حضور ﷺ نے بھی فرمایا ''من جد وجد ''جس نے کوشش کی۔اس نے پایا''۔مگر تقدیر کے لنکنگ کے سبب ضروری نہیں کہ ہر کوشش اور محنت کے بعد نتیجہ صحیح ہی نکل آئے۔کیوں کہ کوشش اگر تقدیر کے موافق ہے تبھی نتیجہ خوشحالی کا ملتا ہے۔اگر عمل وکوشش تقدیر کے رخ کے خلاف ہے تو جو مقدر میں لکھا ہے۔وہی ہوگا۔محنت اور کوشش لا حاصل ہوگا۔اسی وجہ سے ہر بیمار شفایاب نہیں ہوتا! اور ہر بیمار ''مر'' کر قبرستان ہی نہیں پہنچ جاتا ہے۔

یہی عقیدہ سارے نبیوں کا تھا۔ان نبیوں کا حال بھی ان کی تقدیر کے موافق ہی ہوا۔جس میں سرفہرست اور زبان عوام پر حضرت نوحؑ کے بیٹے ''کنعان'' کے نوحؑ کے سونامی میں غرق ہوجانے کا ہے۔''کنعان'' حضرت نوحؑ کے سگے اور صلبی بیٹا تھا۔مگر ''میری مرضی'' کا عقیدہ رکھتا تھا۔اپنے رسول ﷺ باپ کی اللہ والی اور شریعت والی مرضی پہ نہیں تھا، جب'' اللہ''،''رسول'' ﷺ اور'' اولی الامر منکم'' کے تحت باپ اور پیغمبر خدا کی بات نہیں مانے تو نوحؑ کا سگا بیٹا ''کنعان'' طوفان یعنی دنیا کی سب سے بڑی سونامی میں ڈوب کر مر گیا۔

حالانکہ ''کنعان'' کے باپ حضرت نوحؑ نے جب بیٹے کو ڈوبتے دیکھا تو لخت جگر کے غرق ہونے پر ملال کرتے ہوئے، اللہ تعالی سے کہا یا اللہ! ایک بار ''میری مرضی'' کے مطابق بات مان لیجئے! کم از کم میرے بیٹے ''کنعان'' کو تو غرق ہونے سے بچا لیجئے! تو اللہ تعالی نے ان کو بھی سختی کے ساتھ ڈانٹ پلائی ''أنه ليس من أهلك ''کہ ارے! تیرا وہ نسلی بیٹا ضرور ہے۔مگر تیری ''شریعت'' اور ''قانون'' پر قائم نہیں ہے۔اسلئے گویا کہ تیرا بیٹا ہی نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ باپ، ماں کی نسبت اور ایک دوسرے میں ''حق'' کا ثابت ہونا ''اللہ کی مرضی'' کے بعد ہی مقرر و مقدر ہے۔'' جوانسان اپنا خیال ہر کام میں ''میری مرضی'' کا رکھتا ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا بے وقوف اور گدھا ہے۔ جو'' میری مرضی'' پر ضد کرتا ہے تو ''اللہ'' بھی ضد میں آتے ہیں اور اس کی شرارت اور اللہ کے قانون کی مخالفت پر ڈھیٹ ہوجانے والے گناہ کی وجہ سے انسان کے ''میری مرضی'' خیال کی جان بوجھ کر مخالفت کرتا ہے۔

اس کی بہترین مثال حضورﷺ کی رزق کے تعلق سے پیش کی گئی ''اَلرزق مقسُومٌ والحریصُ محروم'' والی حدیث ہے۔ جس میں حضورﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ''رزق'' کے بارے میں بارہویں پارہ کی آیت کا خلاصہ بتلایا ہے کہ دنیا میں ہر جاندار کے ''رزق'' کو اللہ تعالیٰ نے متعین کر دیا ہے۔ اس کو لاکھ کوشش اور کاوش کے بعد بھی اتنا ہی ''رزق'' ملے گی۔ جتنی کہ ''اللہ تعالیٰ'' نے اس کو دنیا میں آتے ہوئے تحفتاً قسمت میں لکھ دی ہیں۔ جو شخص اپنی قسمت سے زیادہ رزق کے حصول کے لئے غلط سلط طریقے اور غیر قانونی ذریعے اختیار کر کے لالچ کرتے ہیں۔ وہ لالچ کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے رزق ہوتی ہے۔ کبھی اس سے بھی اللہ تعالیٰ اسے محروم کر دیتا ہے تا کہ بندہ یہ عقیدہ صاف کر لے کہ ''اللہ کی مرضی چلے گی۔ تیری نہیں''۔

اس لئے اس بات پر کبھی جھگڑے کا سوچ پیش مت پیدا کرو کہ فلاں کام، میری شادی، میری نوکری وغیرہ میرے والدین نے یا فلاں فلاں نے ''میری مرضی سے نہیں کی''۔ اس بات کو اس فانی دنیا میں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایک انسان کو ہمیشہ دوسرے انسان کے لئے فائدہ ہی سوچیں۔ اگر کوئی کام کسی انسان سے خواہ باپ ماں ہوں یا کہ کوئی غیر! کوئی غلطی ہوگئی تو ہو چکنے والے عمل کو ''قسمت'' سمجھتے ہوئے ایک دوسرے کا فائدہ سوچنا چاہئے۔ لڑنا جھگڑنا نہیں چاہئے۔

شریعت کی روشنی میں ہر مؤمن کو ایک دوسرے کا صرف فائدہ ہی سوچنا چاہئے اور سچا پکا مؤمن ہمیشہ دو جھگڑنے والوں کے درمیان فیصلہ کی اُس حکمت عملی کو اپناتا ہے، جس سے فریقین میں صلح ہوجائے۔ یہی اخلاق نبیﷺ کا تھا۔ ایسے ہی اخلاق کو ''اخلاق کریمانہ'' کہتے ہیں۔ ایسے ہی اخلاق کریمانہ والے حضرات سے اسلام کی اشاعت اور ایک اچھے معاشرت کی تشکیل ہوتی ہے۔ الحمدللہ! میرا ہر وقت یہی عمل رہا ہے۔ ایک واقعہ اس تعلق سے پڑھتے چلئے!

ایک واقعہ: ایک مرتبہ حضرت ابوداؤدؓ کا گزر ایک مجمع کی طرف ہوا، جو ایک آدمی کے گرد اکٹھا تھا۔ لوگ اسے مار پیٹ رہے تھے اور گالیاں دے رہے تھے۔ انہوں نے حقیقت حال دریافت کیا۔ ''مَا الخبرُ'' کیا بات ہے؟۔ لوگوں کہا: رجل وقع فی ذنب کبیر ''ایک آدمی ہے۔ جس نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ ہم اس کی پٹائی کر رہے ہیں۔ حضرت ابوؓدردا نے ان سے پوچھا کہ '' اَرَيتُم لَو وَقَعَ فِي بِئرٍ اَفَلَمْ تَكُونُوا تُتَخرِجُو نَهٗ مِنهُ '' یعنی: اگر یہ شخص کسی کنویں میں گر جاتا! تو کیا تم اُسے وہاں سے نہ نکالتے؟ سب نے کہا: بَلٰـى : کیوں نہیں؟ حضرت ابودرداءؓ نے ان لوگوں کو سمجھاتے ہوئے فرمایا ''لَا تَسُبُّوهُ وَا تَضرِبُوهُ وَ اِنَّمَا عِظُوهُ وَ بَصِّرُوهُ وَاحمدُ وُاللهَ الَّذِیٔ عَافَاكُمْ مِنَ الوُقوعِ فِي ذَنبِهٖ '' پھر تم اس کو نہ گالی دو۔ نہ مارو پیٹو۔ بلکہ صرف سمجھانے بجھانے اور وعظ و نصیحت کو کافی سمجھو! اس بات پر

خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو اس گناہ سے محفوظ رکھا۔ لوگوں نے پوچھا: اَفَلَا تُبغِضُہ: تو کیا آپ اسے ناپسند نہیں کرتے ہیں؟ حضرت ابودرداؓ نے جواب دیا: اِنَّمَا اُبغِضُ فِعلَہٗ فَاِذَا تَرَکَہٗ فَھُوَ اَخِیْ ''میں صرف اس کے گناہ کو ناپسند کرتا ہوں۔ اس سے باز آجائے، تو پھر یہ میرا دینی بھائی ہے!!!

حضرت ابودرداؓ کی یہ بات سن کر وہ لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور اپنے گناہ سے توبہ کرنے لگے۔ یہ سب زبان کی تعلیم ہے۔ جب زبان اور دل انسان کا دوست بن جائیں، تو دو جھگڑنے والوں کے نزاع کو ''قُلِ الحَقَّ وَ اِن کَانَ مُرًّا'' حق بات کہو۔ اگر چہ کڑوی ہی کیوں نہ لگے'' حدیث کا خیال کرتے ہوئے، حسن عمل سے (معاملہ) ختم کیا جاسکتا ہے (احوال الصادقین)۔

موجودہ معاشرت میں: حضرت ابوداؤدؒ جیسی شخصیت کی سخت ضرورت ہے۔ نیک دل آدمی جو دل و زبان دونوں سے مسلمان ہو، قانونِ اسلام اور اخلاق سے ہی کوئی کام کرتا ہے۔ اگر کسی کے اخلاق کو، کوئی چھپا دے، تو اس کی تحقیق کی جاوے۔ بعد تحقیق کے غلطی ثابت ہو جائے تو حضرت اابوداؤد جیسے مزاج سے افہام و تفہیم مع دلائل سے کام لے کر اس کی اصلاح کی جائے اور ایک اچھی معاشرت کی فضاء قائم کرتے ہوئے ہمیشہ! بخوبی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ''جو کام ہو چکا۔ اس میں ''میری مرضی'' کو دلیل بنا حرام ہے۔ جیسے زبردستی ''شادی'' کے لئے مشورہ دینے والوں کو، گارجین اور سرپرستان و ذمہ داران حضرات کو ''ملزم'' بنا دینا، ان پر طعنہ کسنا، ان سے ناراض ہونا، والدین اور ان سے متعلق اس معاملے میں سپورٹ کرنے والوں پر ناراضگی کا اظہار کرنا، آدمؑ کے نافرمان اور شیطان بیٹے'' قابیل اور شیطان بیٹی ''اقلیما'' اور نوحؑ کے بیٹے ''کنعان'' کی اطاعتِ الٰہی کے قانون کے خلاف من موجی اور غلط روش اور غلط راستے کی نقل کرنی ہے۔

جو کوئی خصوصا اولاد والدین کی طرف سے ناپسند کام کے ہو چکنے کے بعد کوستے اور لعنت بھیجتے ہیں۔ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نقل کردہ'' لیس المؤمن بالطعان و الا باللعـــــان ولا الفاحش ولا البذی '' کہ مومن طعن کرنے والا نہیں ہوتا، لعنت کرنے والا نہیں ہوتا، فحش اور بیہودہ بکواس اور بدزبانی کرنے والا نہیں ہوتا'' حدیث رسول ﷺ کی مخالفت کر کے رسول اللہ ﷺ کو ناراض کرتے ہیں۔ دیندار اولاد، اپنے والدین کے ''کرتوت'' میں بعض ناپسند جو شریعت کے خلاف نہ ہو ''غصہ'' نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ اس رُخ کا رَویہ بدمعاش اور نافرمان اولادوں کا حضرت آدمؑ کے بڑے اور سب سے پہلے بیٹے قابیل کے اپنے باپ کے شرعی روشنی کی باتوں کو سمجھانے پر بجائے ماننے کے بدسلوکی نقل کے مطابق ''سلوک'' ہوتا ہے۔

عجیب بات ہے کہ ''دنیا'' میں جو پہلا فساد اور قتل ہوا۔ وہ بھی ''شادی بیاہ'' کے تعلق سے تجربہ کار اور پہلے اللہ والے والدین'' آدم حواؑ'' کی شرعی یعنی اللہ کے حکم کے مطابق والی ''مرضی'' سے ہٹی ''اولاد'' ''قابیل'' اور ''اقلیما'' کی من موجی اور ذاتی طور پر ''میری مرضی'' کے خیال کی وجہ سے ہی ہوا۔ اس وقت بھی حضرت آدمؑ اپنے نافرمان اور من موجی کام کرنے والے بیٹے'' قابیل'' کو کہہ رہے تھے کہ تمہاری بہن ''اقلیما'' تمہارے لئے اللہ کے حکم اور مرضی سے جائز نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے بھائی ''ہابیل'' کے ساتھ پیدا ہوئی سگی بہن ''لبودا'' تیرے لئے درست ہے۔ یہی میرا صحیح شرعی مشورہ ہے۔

لیکن خواہشات نفسانیہ اور دُنو یہ کے پجاری'' قابیل'' بد بخت نے اپنے باپ اور پہلے پیغمبر حضرت آدمؑ کے نورٌ علی نورُ اور شرعی مشورہ کو'' اطاعت'' کے قانونِ الٰہی سے بالکل الگ تھلگ خیال کر کے محض ضد کی وجہ سے نہیں مانا اور بس اپنی'' مرضی'' کا اظہار کیا کہ'' میرے ساتھ پیدا ہونے والی میری سگی بہن'' اقلیما'' ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی، اسکی سگی بہن'' لبودا'' کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت ہے،'' لبودا'' بدصورت ہے۔ اسلئے میں اپنی ہی بہن یعنی'' لبودا'' ہی سے شادی کروں گی۔ یہی'' میری مرضی'' ہے۔ جب باپ کی شرعی اور الٰہی بات ان کے بیٹے'' قابیل'' نے نہیں مانا، بلکہ من موجی اور مرضی کی بات کر کے بحث ومباحثہ اور منہ لگا کر شیطان کے'' اللہ'' سے مناظرہ کرنے کی نقل کر لی تو پیغمبر باپ حضرت آدمؑ (بزبان سنسکرت شنکر رمہادیوا) کو قابیل (بزبان سنسکرت گنیش) بیٹے پر اللہ کے حکم کی مخالفت کرنے اور من موجی خیال پر اڑے رہنے اور ضد کرنے کی وجہ سے، بہت زیادہ غصہ آیا۔

چنانچہ اسی غصے میں آدمؑ اپنے نافرمان'' قابیل'' بیٹے اور اس کی سگی اور خوبصورت بہن'' اقلیما'' پر نہایت غصہ کیا۔ بہت اُلٹرائے۔ ڈانٹ ڈپٹ کی۔ اللہ تعالی کے اصلی اور شرعی حکم کو بول بول کر پیش کر کر کے بہت سمجھائے۔ لیکن بدنصیب بیٹا'' قابیل'' اور بدنصیب بیٹی'' اقلیما'' نے باپ کی شرعی کوئی نصیحت، شیطان کی پشت پناہی اور اس تیسرے کی طرف سے ہمت دینے کی وجہ اور تعاون کے سبب نہ پیار سے سنی، نا ہی غصے کے انداز میں سنی اور دونوں لنک سے ایک ساتھ بھاگ کر عرب کے ملک'' یمن'' کی ایک پہاڑی پر جا بسے اور جہالت والی شیطانی من موجی طریقوں کو جاری کر دیا۔ جبھی سے کافرانہ راستہ جاری ہو گیا۔ ورنہ اس سے پہلے کافر اور کفر کا وجود ہی نہ تھا۔ ثابت ہوا کہ الٰہی قانون سے ہٹنا'' منموجی'' اور میری مرضی اور میری خوشی'' کا خیال ہے جو کہ بالکل ایمان وتقدیر کے عقیدے کے خلاف ہے۔

حضرت آدمؑ اور حواؑ ہندوستان سے عرب کے دمشق عراق علاقے میں جا کر قیام کر کے اپنے بھٹکے ہوئے دونوں اولادوں کو'' اللہ'' کے قوانین کے مطابق'' میری مرضی'' کے غلط عقیدے سے بہت روکا۔ بہت سمجھائے۔ مگر! ان دونوں نے ایک نہ سنی۔ پانچ سال بعد حضرت شیثؑ کو تحفتاً اللہ تعالی نے عطا کی جو پل بڑھ کر بہت ہی فرماں بردار اور ہر بات کو ماننے والے، اور بڑے ہو کر بعد کے لوگوں کو دینیات اور اسلامی والٰہی احکامات کو سمجھانے والے اور اس کائنات میں صحیح اسلامی قوانین کو نافذ کرنے والے نہایت صحیح جانشیں بنے۔ اس طرح اس دنیا میں اسلام اور کفر کے دوراستے بن گئے۔

تاریخ طبری، تاریخ ابن خلدون اور دیگر بہت ساری معتبر کتابوں سے ثابت ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی زندگی ہی میں دیکھ لیا کہ قابیل سے کفر والحاد اور بے دینی اور من موجی کا راستہ'' یمن'' کی پہاڑی اور وادی سے جاری ہو گیا ہے تو اپنے جانشیں بیٹے حضرت شیثؑ کو باضابطہ اللہ کے حکم سے قابیل واقلیما دو شیطانوں سے حضرت آدمؑ نے ملنے سے منع کر دیا۔ بلکہ اپنی قبر تک بھی آنے سے منع کر دیا۔

مناسب غصہ بھی ضروری ہے : آج لوگ کہتے ہیں کہ باپ ماں کو اولاد پر غصہ نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ ان کی مرضی کے مطابق کام کرنا چاہئے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط بات وخیال ہے۔ اصلاح معاشرہ اور ایک نیک معاشرت وماحول کی تشکیل کے لئے اللہ تعالی نے پہلے'' وانذر عشیرتك الاقربين '' دفعہ کے ذریعے حکم فرمادیا

ہے کہ دوسروں سے پہلے اپنے گھر کی سلطنت میں صحیح سلطنت کرو اور اپنے فیملی، خاندان والوں کو اللہ کا قانون اور صحیح معاشرت و اخلاق کی تعلیم سکھاؤ''۔ جب اپنے گھر کا معاشرہ صحیح ہو جائے گا، تب سماجی اور اجتماعی معاشرہ تعمیر کرنے کے لئے کوشش کرو گے تو پوری سلطنت کا معاشرہ خود بخود بآسانی ٹھیک ہو جائے گا۔

مسند احمد کی حدیث میں اولاد کو پہلے نماز کے طریقے اور اس کے پڑھنے کی تاکید کرنے کا حکم ہے کہ ''بچہ یا بچی'' جب سات برس کے ہو جائیں تو اسے نماز کے لئے حکم کرو۔ جب دس سال کے ہو جائیں اور نماز سے غافل رہیں تو ان کو مارو''!

بتایئے! آخر نبی ﷺ نے دسالہ بچے بچیوں کو شریعت کی نافرمانی کرنے پر مارنے کا حکم تو دیا ہے نا! ظاہر بات ہے ''مارنا'' بغیر ''غصہ'' کے تو نہیں ہوگا۔ اسلئے اس حدیث سے بچوں پر غصہ کرنا بھی ثابت ہوتا ہے، اور مارنے کے لئے تو وضاحت ہے ہی! اس لئے یہ یقینی ہے کہ اپنی نسل کی صحت اور غلط زبان، غلط معاشرت سے بچانے کے لئے اور دائرہ اسلام ہی کے ''ویل و چکر'' میں رہنے کے لئے صحیح تربیت کی خاطر بوقت ضرورت ''غصہ کرنا'' بھی لازم ہے اور بوقت ضررت ''مارنا'' بھی ضروری ہے۔

اولاد کی تربیت کیسے کریں؟ کتاب کے صفحہ نمبر ۲۰۴/ پر مؤلف نے نبی ﷺ کی ایک حدیث نقل کی ہیں ''عـــقـــو السوط فی الجدار و ذکرو هم با الله '' کہ: تم گھروں میں دیوار پر ''کوڑا'' (مارنے والا ڈنڈ الٹکا کر رکھا کرو، اور انہیں اللہ کی یاد دلایا کرو''۔

بتایئے! بلاوجہ ''کوڑا'' یعنی مارنے کا ڈنڈا گھر میں کیوں لٹکایا جائے گا؟ اس کا مطلب تو یہی ہے نا کہ اولادوں کے دلوں پر والدین کا خوف رہنا چاہئے کہ ہمارے ماں اور باپ فلاں غلط کام پر پوچھ گوچھ یعنی انکوائری کریں گے تو کیا جواب دیں گے۔ اس لئے صحیح کام کریں''۔ اس سے ثابت ہوا کہ والدین کا اولادوں پر بوقت ضرورت برائے تربیت ''محتاط'' طور پر غصہ کرنا، مناسب تنبیہ اور سختی کرنی بھی نہایت ضروری ہے۔ بلکہ بعض مرتبہ امر الٰہی اور امر نبی یعنی اللہ اور ان کے نبی ﷺ کے حکم ''عمل'' کو فرض کرنے کی دلیل سے فرض ہے۔

ہاں! ایک ''مارنے میں'' ایک دم قصائی بھی نہیں بننا چاہئے! بلکہ 'مار' برائے تنبیہ ہونی چاہئے۔ برائے ذبح نہ ہونی چاہئے۔ فطرت اور تخلیق خداوندی کے قانون میں ہر کام میں'' اعـدلوا هو اقرب للتقوى '' کا بھی ''قانون'' ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ہر کام میں ''اعتدال'' یعنی نارمل اور فطری اور تخلیقی پوائنٹ کے سوچویشن میں رہنا چاہئے۔ پس ''مارنا'' بھی ایک ''کام'' ہے۔ اس میں بھی فطرت و نارمل پوائنٹ سے ہٹ کر اس قدر نہ ماربیٹھیں کہ کچھ نقصان ہی ہو جائے۔ پھر اس کا علاج کرانے کے لئے وقت اور پیسہ دونوں ضائع کرنا پڑ جائے۔ بعض مرتبہ کورٹ کچہری کا بھی طواف کرنا نہ پڑ جائے۔

میں نے ''مارنے'' میں 'محتاط' کا لفظ اسی لئے استعمال کیا ہے۔ سنن ابوداود میں ایک حدیث میں چھوٹوں کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ''مـن لـم يـرحـم صـغيـرنـا .... فلیـس منا '' اسی طرح اسی مضمون سے یہی حدیث

دوسرے الفاظ میں ابوداؤد شریف حدیث کی کتاب میں منقول ہے " لیس منا من لم یرحم صغیرنا و لم یعرف حق کبیرنا " کہ چھوٹوں پر جورحم نہیں کرتا ہے، وہ ہم میں سے ہے ہی نہیں۔اس لئے جہاں حضورﷺ نے تربیت کے لئے مارنے کا حکم دیا ہے، وہیں بچوں سے محبت اور پیار کرنے کے لئے بھی حکم فرمایا ہے۔محبت اور پیار دونوں اس طرح بیلنس میں ہوں کہ اس عمل سے اولاد کی ایسی تربیت ہوجائے کہ والدین کا اولاد کوخوف بھی ہواور والدین سے گھلے ملے بھی ہوں۔اسی اعتدال کے ساتھ مارنے ،غصہ کرنے اور پیار کرنے دونوں طرح کی حدیثیں بیان فرمائی ہیں۔

پس اللہ تعالی نے اوران کے رسولﷺ نے جب" مارنے اور پیار کرنے نرمی سے پیش آنے ،دونوں طرح کی باتیں پیش کی ہیں توان دونوں کے درمیان ایک صحیح معنی بنانا پڑے گا۔تاکہ دونوں حدیثوں کا معنی صحیح ہوجائے۔پس" مارنے" اور" پیار کرنے ،رحم کرنے" دونوں حدیثوں کے پیش نظر صحیح معنی یہ ہوگا کہ "غیر شرعی" حرکتوں کے فولڈراور وقت میں تنبیہ کرنے ،سمجھانے بجھانے کے باوجود، جب بچہ، بچی تربیت نہ پائے ، بلکہ شرارت ہی کرے،منہ ہی لگاتے ہوئے اپنی کم میموری سے محض بحث ومباحثہ ہی کرے اور منہ زوری ہی کرے،اُلٹا جواب دے،تواس وقت بچوں کو ہر حال میں مناسب" مار" مارکر صحیح اخلاق کے لئے ہر حال میں "تربیت" دی جائے گی۔

پوری دنیا میں "لاٹھی ،ڈنڈے ،چھری ،تلوار، نیزے بھالے، بارود، پستول، بندوق،توپ ،میزائل اور زمانے کے لحاظ سے دیگر آلۂ تربیت اور فوجی انتظامات ، پولیس سیکوریٹی ،گارڈس، وغیرہ جونظام بروقت بنایا گیا ہے، یا کیا جاتا ہے ،اور ہر نئے ماحول کے موافق ان میں جوصورتیں اور شکلیں نکالی جاتی ہیں، وہ اسی لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ" من موجی وغیر شرعی وغیر اخلاقی سلوک کرنے والے اوران بیلنس مومنٹ میں رہنے والے لوگوں کی ریپیری کرکے ماحول کو بیلنس اور نارمل موڈ" میں رکھا جائے اور ہمیشہ درست نظامِ معاشرت وماحول اورآرام دہ فضاء بنی رہے۔

چونکہ گھریلو معاشرت انہی بچے بچیوں سے بنے گی۔گھریلو نظام کوئی معمولی نظام نہیں ہے۔غور کیجئے توسب سے پہلا ملک انسان کا گھریلو نظام ہی ہے۔جس کا قدرتی فیصلے" الرِّجالُ قوّامُونَ علی النسآء" کے مطابق بادشاہ اور خلیفہ "باپ" ہوتا ہے۔اسی طرح وزیر خانہ "ماں" ہوتی ہیں۔ان دونوں سے جب اولادیں پیدا ہوتی ہیں تو یہی اولادیں اس گھریلو سلطنت وحکومت میں ممبران حکومت ہوتے ہیں۔جن میں بڑے بھائی عموما اوران میں سے باہوش وعلمدار عموما نائب وزیر خانہ ہوتے ہیں۔ایک انسان کی جتنی ضروریات ہوتی ہیں۔وہی ضروریات اجتماعی طور پرایک جگہ رہنے والے تمام انسانوں کی بھی ہوتی ہیں۔فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ گھریلو سلطنت میں اولاد ہونے سے پہلے صرف دوممبروں پر مشتمل افراد پر نظام خانہ جاری ہوتا ہے۔جس کے لئے ضرورت کے موافق قوانین صرف دولوگوں کے لئے ہوتے ہیں۔گھر سے باہری نظام کے پیش نظر مع والدین اوران کی دیگر اولادوں کی شمولیت کے سبب مزید خارجی قوانین کو بھی ان کے درجوں کے اعتبارات سے فالو کرنا پڑتا ہے۔پھر جب اولادیں پیدا ہوکر نظام خانہ کی سلطنت میں پاپولیشن بڑھ جاتا ہے تو پھر نظام وسسٹم میں بھی ان تمام کی ضرورتوں کے موافق وسعت دینی لازمی ہوجاتی ہے۔تاکہ ایک بہترین سسٹم سے جڑکر گھریلو سلطنت مامون ومفیداور نامور سلطنت سے مشہور ہوسکے۔

حضرت آدمؑ کا یہی حال تھا۔ جب ان کی اولادیں پیدا ہو ہو کر افراد انسانی بڑھتے چلے گئے تو ان تمام کی تعداد کے اعتبار سے ان سب کی ضرورتوں کے لحاظ سے نظام وسسٹم بھی بڑھتا چلا گیا اور جم غفیر کے نظام کو کنٹرول کرنے کے لئے پھر خاندان اور اس کے ذمہ دار سردار کے تحت، پھر سماج اور اس کے نظام چلانے کے لئے پنچایت وکھیا وسرپنچ طوفان نوحؑ کے بعد تاریخ ہند کی گہرائی کے مطالعہ کی روشنی میں شمالی ہند کے پنجاب و بندھیاچل پہاڑ و ہمالیہ کے دامن کے میدانی علاقوں خصوصا مظفر پور، ویسالی کی لچوی پہلی منظم حکمرانی والے کے قبائیلی نظام میں سرداری نظام کے بعد حکومتی نظام کو منتخب کر کے انسانی ضروریات کی تکمیل کا نظام بنایا گیا۔

معلوم ہوا کہ گھریلو سسٹم کے خلیفہ باپ اور ان کے وزیر ماں سے بنی سلطنت خانہ ہی کی وسیع عریض حکمرانی سماج اور اس سے بڑھ کر ممالک واسٹیٹس کا نظام ہیں۔ جن میں گھر میں ماں اور باپ کے جوڑے سے پیدا اولادیں ہی کل کے نامور اور، روشن حکمراں بن کر نام پیدا کرتے چلے آئے ہیں۔ اگر ان کو گھر والے پہلے مدرسہ اور تعلیم وتربیت گاہ میں اخلاقی بیماری کو ''مار'' کر'' غصہ'' کر کے درست نہ کریں گے تو پھر گھریلو سلطنت کے یہ ممبران بد اخلاق و بد طینتی سوچویشن میں بدنامی پیدا کرنے والے بن جائیں گے۔ جس سے ایک ''روشن اور کامیاب گھریلو سلطنت'' نہیں بن پائے گی۔

اس لئے یہ بالکل صحیح قانون ہے کہ جب بچے اچھے کام کریں۔ بات مان کر چلے اور اتنا مان کر چلے کہ کوئی صاحب الرائے شخصیت جب کہے'' آؤ'' تو فورا'' آجائے''۔ کہے'' جاؤ'' تو فورا'' چلا جائے''۔ کہے'' اٹھو'' تو فورا'' اٹھے''۔ کہے ''بیٹھو'' تو فورا بیٹھ جائے۔ یعنی اگر ماتحت لوگ خصوصا اولاد اس قدر اپنے والد اور گھریلو سلطنت کے بادشاہ اور خلیفہ اور ان کے وزیر اپنی محبت کرنے والی ماں کے تابعدار ہیں تو اس سوچویشن میں رہنے والے بچے اور بچیوں پر مکمل رحم کیا جائے گا۔ ان کی تمام جائز اور صحیح ضرورتیں، ان کے کہنے سے پہلے پوری کر دی جائیں گی۔

اسی وجہ سے امام غزالیؒ کا'' قول'' کیمیائے سعادت'' کتاب رص:۴۷۷ر پر منقول ہے کہ'' جب بچہ اچھا کام کرے، خوش اخلاق بنے تو اس کی تعریف کرنی چاہئے، حوصلہ بڑھانا چاہئے۔ انہیں انعام دینا چاہئے۔ اس کو ایسی چیزیں دینی چاہئے۔ جس سے اس کا دل خوش ہو اور اگر ماں بچے کو کوئی برا بھلا کام کرتے دیکھے تو اسے تنہائی میں سمجھانا چاہئے کہ اچھے بچے ایسا کام نہیں کرتے! اسی لئے حضورﷺ کی حدیث ہے کہ'' بچوں کو خوش رکھنے والے لوگ دارالفرح یعنی خوشیوں کے گھر میں جنت میں ہوں گے''۔

اس لئے بوقت ضرورت جائز اور شرعی تربیت کی خاطر ''محتاط'' انداز میں ''غصہ'' بھی کرے اور تعریف بھی! حضرت معاذؓ نے فرمایا ہے کہ حضورﷺ نے دس باتوں کی وصیت فرمائی ہیں۔ ان میں سے آخری دو باتیں یہ ہیں کہ ''ولا ترفع عنهم عصاك ادبا و اخِفْهم فی الله ''یعنی بچوں کو تنبیہ کے واسطے ان پر لکڑی نہ ہٹانا اور اللہ تعالی سے ڈراتے رہنا''۔ درمنثور میں حضرت لقمان علیہ السلام کا ارشاد منقول ہے ''ضرب الوالد للولد کمطر لسمآء للزرع ''کہ باپ کا ادب کی تعلیم کے لئے اولاد کو مارنا کھیتی کے لئے بارش کی طرح (ضروری) ہے۔ ایک حدیث اولاد کی تربیت کیسے

کریں کتاب میں رص:۱۰۱ر پر عبدالرزاق ،طبرانی کبیر اور سیوطی سے یوں نقل کی گئی ہے کہ ''حضورﷺ نے فرمایا کہ: ''کوڑا'' ایسی جگہ لٹکاؤ! کہ گھر والے دیکھتے رہیں''۔اسی طرح ابن عدی ،منادی اور سیوطی میں بھی حدیث ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالی اس بندے پر رحم فرمائیں ،جس نے اہل وعیال کی دینی تربیت کے لئے اپنے گھر میں کوڑا لٹکایا''۔

البتہ! جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ ''حد'' سے تجاوز کر کے غصہ نہیں کرنا چاہئے ، نا ہی کوڑے سے بچے کو اپاہج ہی بنا دینا چاہئے ۔خود رسول اللہﷺ نے فرمایا ہے کہ ''جو زیادہ غصہ کرے ۔وہ شیطان ہے اور جو ضرورت پر غصہ ہی نہ کرے ۔وہ ''گدھا'' ہے''۔پس نارمل اور اعتدال کے فولڈر اور سوچویشن میں ''غصہ'' ضرورت پر غصہ کرنے سے شریعت کے قوانین کی افراد خانہ والے ممبران میں لاگو اور نافذ کرنے میں مدد ملے گی۔اگر ''غصہ'' بالکل نہ کیا جائے اور بالکل اُلو اور گدھا والا رویہ اختیار کیا جائے تو یہ بادشاہت کی کرسی پر بیٹھنے کی صلاحیت اور قوام مزاج کے خلاف ہے۔اس سے جرم وفساد کی بہتات ہو جائے گی۔اولادیں نافرمان ہو جائیں گی۔اس لئے جو بچہ اور بچیاں ،نصیحت اور پیار سے ،قانون کو اور اچھی بات کو نہ مانیں۔وہ نافرمان اور شیطانی چکر اور چال وجال میں یعنی کسی تیسرے کے مدد کرنے اور اس کے ذہن سازی کرنے پر ہمت ور اور حوصلہ مند ہو کر اور زیادہ بدتمیز بن کر ماحول کو خراب کرتا ہے۔اسی لئے تو مارنے ،ڈنڈے رکھنے اور پولیس ومحافظ رکھنے ،سیکوریٹی رکھنے ،اور حفاظت کرنے والے نگراں رکھے جاتے ہیں۔

پس اگر صحیح بات کی نصیحت کرنے پر نہ ماننے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو دنیا میں بلکہ گھر گھر زنا، بدتمیزی، من موجی ،ہونے لگیں گی اور تمام طرز معاشرت خراب ہو جائیں گی۔اسی لئے خاص مواقع کے لئے خاص خاص ''لاء'' یعنی قوانین کو بنائے گئے ہیں اور بوقت ضرورت اس میں ترمیم بھی کی جاتی ہے اور نئے نئے قوانین بھی بنائے جاتے رہتے ہیں۔اس لئے والدین ،سماج کے بڑے ،مربی قسم کے لوگ خصوصا اساتذہ وغیرہ حضرات کو اسٹوڈنس اور اپنے بچے اور بچیوں پر ضرورت پر تربیت اور شرعی وصحیح حالت اور نارمل موڈ میں رہنے کے لئے غصہ ہونے پر چھوٹوں اور تربیت پانے والے بچے اور بچیوں کا اپنے ہی پالنے والے اور موقع موقع سے زندگی میں گارجین شپ کی ذمہ داری نبھانے والوں پر کسی کا اُلٹے الزام لگانا ،اعتراض کرنا ،ان پر اعتراض نہیں ،براہ راست اللہ تعالی کے حکم پر اعتراض ہے اور یہ ''اطیعو اللہ ،اطیعو الرسول اور اولی الامر منکم'' کے حکم ربانی کو نہ ماننا ہے۔

اس لئے ہر بڑے کو اپنے اندر، تربیت وکفالت پانے والے بچوں پر ،بڑے کی صحیح بات میں ''میری مرضی'' کہ کر بچے اور بچیاں صرف اپنی ''مرضی'' ہی چلائے تو اللہ کے حکم '' ذکر ان الذکری تنفع المؤمنین '' والے قانون کے مطابق پہلے قرآن وحدیث اور بزرگوں کے میٹر سے لنک والے واقعات بول بول کر سدھار کرنا ہر بڑے پر فرض ہے۔جو بڑے اس فرضیت پر عمل کر رہے ہیں۔انہی پر چھوٹوں کا بجائے سدھرنے کے اعتراض کرنا ،اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس چھوٹے کو کسی شیطان کی پشت پناہی ہے اور بیک سپورٹ سے انہیں حوصلے مل رہے ہیں۔

یعنی واضح بات یہ ہے کہ ہمیشہ تیسرے سے گھر اور ماحول بگڑتا ہے۔ناسمجھ بچے ،بچیاں اللہ کے حکم ،رسول اللہ

ﷺ کے حکم اور بڑوں کے حکم کے خلاف چل کر کچھ دنوں بعد، بہت بڑی پریشانی میں پڑنے والے ہوتے ہیں۔جس کی اُسے کم میموری اور بچپنے کے سبب احساس اور شعور نہیں ہوتا ہے۔ایسے معصوموں کو یہ سمجھانا ضروری ہے کہ" اِن الشّیطان لِلانسان عدُوّمبین" شیطان کھلا ہوا دشمن ہے"۔یہ ہمیشہ تیسرے کی شکل میں آ کر اُسکا تا رہتا ہے۔نیز یہ "تیسرا" کبھی ظاہری دُشمن اور شیطانی چال میں نہیں آتا بلکہ یہ انسان کی شکل میں، انسان ہی میں سے بلکہ اکثر اپنے اور جانے پہچانے مفاد پرست اور حاسد ومتکبر لوگوں میں سے دوست، فرینڈ، رشتے داروں اور پڑوسیوں کی شکل میں آ کر "محبت" کے سلوک کرتے ہوئے "محبت میں عداوت ودشمنی" کرنے آتا ہے۔یہی اس کا کام ہی ہے۔اسی کے لئے اس نے اللہ تعالی سے پرمیشن لے رکھا ہے۔پس شیطان تو اپنے کام میں جائز کام کر رہا ہے۔اِدھر مؤمن، مسلمان بندے کو اپنے کاموں میں مصروف رہنا چاہیئے۔یعنی بس اللہ تعالی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ان کے حکم کی اطاعت وفرماں برداری کرنی چاہیئے۔

پس جب "شیطان" انسانی شیطانی گروہ "فرینڈ" سرکل سے یا رشتے داروں میں سے کسی رشتے دار کی شکل میں آ کر کسی بھی صورت میں نقصان دینے والی باتیں کہیں اور رویے اختیار کرنے کے لئے اُسکائیں۔ورغلائیں تو فوراً سمجھنا چاہیئے کہ وہ پکا "شیطان" ہے۔"فرینڈ" نہیں۔رِشتے دار نہیں۔خون نہیں۔

پس ایسے لوگوں میں سے کسی عمل کے ہوجانے کے بعد عیب بتائے تو اُن سے دُور رَہنا چاہیئے۔ان کی بات سننی نہیں چاہیئے۔ایسوں کو، کوئی راز والی باتیں نہیں بتلانی چاہیئے۔بلکہ ہر آدمی کو اپنے ساتھی کو مخلص دوست تلاش کرنا چاہیئے جو وقت پر صحیح طور سے مشورہ دے کر جان ومال سے ساتھ دے اور خیر خواہی کرے۔کیوں کہ "الدین النصیحۃ" کہ دین" نام ہی ہے "خیر خواہی کرنے اور نصیحت کرنے کا"۔

پس سچے دوست اور صحیح محبت کرنے والے لوگ سامنے والے کو صبر وشکر کرنے اور ان دونوں کے درمیان چلتے رہنے کے لئے تلقین کر کے زندگی گذارنے کے لئے تعریفی پہلو سے کام لیتے رہتے ہیں۔حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ لوگوں کے اندر ۱۰۰ رخرابیاں ہوں تو انہیں چھپانا چاہیئے اور کوئی ایک نیکی ہو تو اسے ظاہر کر کے اور بار بار بول کر محبت والی زندگی گذارنے کی ترغیب دینی چاہیئے اور سامنے والوں کے ساتھ نیک عمل کرنا چاہیئے۔امام اعظمؒ کے اس قول کے موافق سچے اور خیر خواہ لوگ مصیبت اور من اور مرضی کے سوچویشن میں پڑ جانے والے غمزدہ لوگوں کے سامنے باتیں کرنی چاہیئے۔

کسی انسان کے معاملے میں "ہوچکنے والے کام اور معاملہ" میں کسی کا فرینڈ "عیب" بیان کر کے "نفرت" کی بیج بوئے، وہ یقیناً حاسد اور شیطان ہے۔دوست اور فرینڈ نہیں! بلکہ بعض ناسمجھ اپنے بھائی، بہن اور باپ اور ماں بھی علم سے کورے ہونے اور جہالت میں اور سماج کی اندھی تقلید والی برائیوں اور قرآن واحادیث کی تعلیمات سے دور ہونے کے سبب اپنے ہی بھائی، نند اور اپنے ہی بیٹے اور بہو کے درمیان بعض لالچ کے سبب ماحول کو خراب کرنے کی صورت لگا دیتے ہیں۔یہ ان لوگوں کے کسی تیسرے دشمن کے محبت میں عداوت کرتے ہوئے اُسکانے، اور ذہن سازی کے سبب ہوتا ہے۔

کیوں کہ اس کے طرزِ تکلم اور انداز گفتگو سے اگر چہ محبت و دُوستی اور کامیابی کی نظر آتی ہے۔جس سے ''دماغ'' خراب ہوکر بیٹا یا بیٹی بھی اپنے ''فیوچر'' کی زندگی کوان لوگوں کے غلیظ مشورہ کے موافق ''جہنم'' بنانے کی کوشس میں، اپنی فیملی پر طرح طرح سے انگلیاں اٹھا کر گھریلوسکون کوجلانے لگتے ہیں۔اس لئے عقلمندی یہ ہے کہ ''سنناسب کی، کرنا رَب کے ''من'' کی۔صرف اپنے ''من'' کی نہیں۔اسی طرح یہ بھی نہیں کہنا چاہئے کہ ''یہ کام ''میری مرضی'' سے نہیں ہوئی'' ۔اس لئے میں ایسا ہی کروں گا۔یا کرونگی۔یہ اللہ تعالی کے انسان کی تخلیق کے بعد اس مخلوق پر فرشتوں کے اعتراض کرنے کی نقل اور شیطانی ''عمل'' ہے۔

اسی لئے اللہ تعالی نے آدمؑ کی تخلیق کے موقع سے جب فرشتوں نے اعتراض کیا تھا کہ یااللہ! ہم تو آپ کی تسبیح و تعریف کر ہی رہے ہیں۔پھر کیوں بلاضرورت انسان کو پیدا کر رہے ہیں۔یہ تو جناتوں کی طرح آپس میں جھگڑیں گے، تو اللہ تعالی نے اس کے جواب میں کوئی تفصیلی جواب نہیں دیا، بلکہ ''انی اعلم ما لا تعلمون '' جملہ بول کر ایک ہی قانون کہ '' تم نہیں جانتے ہو، میں جانتا ہوں'' تم ہٹلر نہیں'' میری مخلوق ہو۔یعنی میرے پیدا کیا ہو'' ۔اس لئے سنو! ''میں'' کہنا! میری ''صفت'' ہے۔تمہاری نہیں۔اسلئے میں جو کہتا ہوں۔وہ سنو! میں جو کرتا ہوں۔وہ کرو! تمہارا کام صرف تماشا دیکھنا اور حکم کے مطابق کام میں لگ کر میری تابعداری کرتے رہنا ہے۔اس لئے حکم پر عمل کرتے ہوئے صرف کارخانۂ عالم میں تماشا دیکھو''!

دیکھئے! اس قانون کو بتلا کر اللہ تعالی نے بندوں کو صاف صاف تنبیہ کر دیا ہے کہ کسی چھوٹے کو اپنے بڑوں پر اعتراض کرنے کا کوئی حق ہی نہیں ہے۔البتہ علم حاصل کرنے یعنی نہ جاننے والی چیزوں کے بارے میں ادب کے دائرہ میں اپنی معلومات کو بڑھا کر میموری میں اضافہ کرنے کا حق ہی نہیں، ضروری ہے۔اچھے اور فرماں دار بچے اور بچیوں کا باادب اپنی معلومات بڑھانے کام ہوتا ہے۔اکثر بچے، بچیوں کے سوالات کا انداز، ماحول اور لہجہ بتلا دیتا ہے کہ ''ان کے سوالات ''عتراضات'' کے طور پر ہیں، یا کہ مخالفانہ طور سے اعتراضانہ! جاننا چاہئے کہ ''میری مرضی'' کے خیال سے سامنے والے کے کچھ پوچھنے کا مقصد '' کچھ جاننا اور علم حاصل کر کے باادب و بااخلاق'' بننا نہیں، بلکہ کسی مرضی اور خیالی چیز کے لئے محض ''ضد'' کر کے اپنی شیطانی مرضی کے کے حصول کے لئے ضد کرنی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ''اولوالامر'' حضرات یعنی والدین، ٹیچرس اور بڑے لوگ اپنے بچے، بچیوں کے سوالات اگر ماحول اور سوچویشن کے موافق سوالات ہوتے ہیں تو ان کے موافق وہ جواب دیتے ہوئے ان کی مناسب تربیت کرتے ہیں۔بچے اور بچیاں مکمل طور سے باادب، بااخلاق کیسے بن جائیں؟ اس کے لئے ہر ممکن رویہ اختیار کرتے ہیں۔

''الاعتدال فی مراتب الرجال'' اردو ترجمہ ''اسلامی سیاست'' نامی کتاب میں مؤلف کتاب نے ص:۳۹؍ پر حضرت علیؓ کی ایک روایت نقل کی ہیں کہ ''حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ''جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھا دیا۔میں اس کا غلام ہوں۔چاہے وہ مجھے فروخت کر دے یا غلام بنادے''۔

میں حضرت علیؓ کے اس قول کی مثال ''حجام'' کے پاس ''حجامت'' کروانے والے، اور ''بیمار'' ڈاکٹر کے پاس رہنے

والے لوگوں کی دیتا ہوں کہ جس طرح لوگ حجام کے پاس اور مریض ڈاکٹر کے پاس بالکل بے بس ہوتے ہیں۔ جدھر حجام ''سر'' پھراتا ہے، ادھر بال کٹوانے والے کو ہر حال میں سر پھرانا پڑتا ہے۔ غور کیجئے! کہ بال کٹوانے والا اپنا پیسہ دے کر، حجام کے پاس بالکل فرماں بردار ہوتا ہے۔ ذرا سا بھی بے ادبی اور بدتمیزی کی تو بس! ممکن ہے کہ حجام غصے میں اس کے سر ہی کو اُتار دے! اسی طرح ڈاکٹر کے پاس مریض اپنی مرضی کا کھانا نہیں کھا سکتا ہے۔ بلکہ ڈاکٹر کے بتلائے ہدایات اور نسخوں کو ہی ہر حال میں استعمال کرتا ہے۔ ذرا سا بھی بے ادبی اور بے رخی کی تو ڈانٹ کھانا تو پکا ہے۔ مزید شیطانی کی تو ممکن ہے کہ ''زہر'' کا ''انجکشن'' یا ''دوا'' دے کر، اسے دنیا ہی سے رخصت کر دے!

مطلب صاف ہے کہ جس کے قبضے میں جو ہوتا ہے۔ اسے اپنے اوپر حاوی اور مسلط شخصیت کی ہر حال میں ہر حکم ماننا ہی پڑتا ہے۔ چونکہ چھوٹا، اپنے بڑوں اور اولوامر کے قبضے میں ہوتا ہے۔ اسے بڑوں سے فی الوقت ہر حال میں ''تربیت'' لینی ہی ہے۔ اگر چھوٹے اور تعلیم و تربیت کے محتاج لوگ ''میری مرضی'' کا خیال دل میں جما لئے تو پھر وہ ''طالب علم'' کے فولڈر اور سوچویشن میں کہاں رہا؟ اس صورت میں ''تربیت'' کرنے کا یا لینے کا تو کوئی معنی ہی نہیں ہوا۔ بلکہ وہ ''معلم'' اور ''استاذ'' اور بڑے کے درجے میں ہو گیا۔ اسی لئے جو بڑے اور بالغ سمجھدار بچے اور بڑے کے جائز امور میں افہام و تفہیم پر دھیان نہ دینے کے سبب مناسب ''غصہ'' کرنے پر اعتراض کرے، وہ یقیناً بدتمیز، بدمعاش، کنٹرول سے باہر، کم عقل، بددماغی کے سبب عموماً کسی تیسرے ساتھی، دوست اور فرینڈ سرکل کے شیطان کے سپورٹ اور حوصلے بڑھانے کی وجہ سے کرتے ہیں۔

عموماً ایسے بچے بچیاں یا لوگ اپنے دوستوں کے خیالات سے متأثر ہو کر انفعالی مزاج یعنی ''اثر لینے والے مزاج'' کے سبب ''میری مرضی'' سے فلاں کام نہیں ہوا''۔ اس میں ''میری خوشی نہیں ہوئی'' وغیرہ وغیرہ جملہ جو کھلم کھلا بولتے اور بداخلاق سلوک و رویے بڑوں کے سامنے پیش کرنے لگتے ہیں۔ یہ ان کی بہت بڑی غلطی، غلط فہمی اور فیوچر کے لئے غلط راہ اختیار کرنا ہے۔ اس سے دوسرے کو نہیں، خود انہی کو نقصان اور نام وامیج خراب ہوتا ہے۔

اسی لئے حضرت شیخ العرب والعجم حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے اسلامی سیاست کتاب کے اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ ''طالب علم (ہر ضرورت مند) کے لئے بقول امام غزالی استاذ (اور ہر بڑے و وشرعی صاحب الرائے کفالت کرنے والے سرپرستان) کے ہاتھ میں کلیۃً اپنی باگ (لگام) دے دیں اور بالکل اسی طرح انقیاد (یقین و جھکاؤ اور اطاعت) کرے جیسا کہ بیمار مشفق طبیب کے سامنے ہوتا ہے۔

آج کل پیسے کے حریص اور ابن الوقت و ابن الرقم و مفاد پرست اور فروخت شدہ میڈیا کے لوگ ایسے سماجی مسائل و واقعات کو بے جا سوالات کر کر کے ہوا دیتے ہیں اور بجائے پردہ داری کے ظاہر داری کا کام کرتے ہیں۔ آج کل بہت سے تقوی و علم اصلی سے کورے عالم دین بھی دینی علم حاصل کر کے مدارس اسلامیہ سے تبلیغی ذمہ داری لے کر باہر آ کر سرورِ کائنات ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقے کو پھیلانے اور ایک انسان کے دل کو دوسرے انسان سے جوڑنے کے بجائے فیس بک، انسٹا گرام اور وہاٹس ایپ وغیرہ پر رب کائنات کے بنائی مخلوق کو دائیں بائیں رکھتے ہیں اور اپنی اسی رب کی

عطا کردہ تخلیقی لمحوں میں ختم ہو جانے والی خوبصورتی کو سیٹ کر کے مذاق اڑاتے ہیں۔

ایک مثال دیتا ہوں کہ عموما آج کل خصوصا ہمارے کے ماحول میں بہت سے لوگ بچپن ہی سے ایک بچہ اور بچی کا رشتہ کرنے کے لئے دل میں رکھ لیتے ہیں اور دھیرے بات بھی پختہ کر لیتے ہیں۔اکثر یہ صورت اپنے رشتے داروں میں ہوتی ہے۔جب شادی کا م وقع ہوتا ہے تو کسی سبب سے ان دونوں میں شادی نہ ہو کر قدرت کے آسمان پر فیصلے کے موافق کسی دوسرے سے ہو جاتی ہے تو فریقین میں سے جو زیادہ شادی کے لئے مصر اور پختہ خیال ہوتا ہے وہ اپنے خاص رشتے داروں سے اس سختی کے ساتھ دشمنی شروع کر دیتے ہیں کہ الامان والحفیظ! گالی گلوج، ہر موٹھ باتیں، گال پھلا کرنا راضگی کے رویے، آنکھ بھویں چڑھا چڑھا کر اشارہ کر کر کے دشمنوں سے مل کر اس طرح شکایتیں، کرتے ہیں کہ خون کا رشتہ معلوم ہی نہیں ہوتا ہے۔جبکہ تحقیق کی روشنی میں اسی فریق کی زیادہ غلطیاں ہوتی ہیں۔

بدقسمتی سے قدرت کا اگر فیصلہ اس نئے شادی شدہ جوڑے کا جوڑ کسی سبب سے باقی نہ رہ پایا اور دونوں کے درمیان ''طلاق'' یا خلع'' ہو گیا تو پھر یہی رشتے دار حسد کی آگ میں جلتے ہوئے ہرصورت سے ''مذاق'' اڑاتے ہیں۔شکایات کرتے ہیں۔غیبت کرتے ہیں۔نام مزید خراب کرنے کی دھن میں لگ جاتا ہے۔

بھلا بتایئے! قدرت کے ججمنٹ وتخلیق پر اس مذاق سے کیا وہ ''من ضحك ضحك ''والی حدیث کی زد سے بچ سکتا ہے! نہایت افسوس کا مقام ان عالموں اور پڑھے لکھے زمرے کے لوگوں پر ہے جو کہ ''عالم، حافظ اور تقدیر کے عنوان '' کو جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی جاہلوں کے ماحول میں ''چوتھو'' بن کر جاہل کی طرح ایسے مصیبت زدہ اور قسمت کے کے مارے پریشان حال شخص کا مذاق اڑاتے اور شکوہ شکایات کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔

کیا یہ معاشرت کی درستگی کی مدارس سے نکلنے کے بعد ذمہ داری نبھار ہے ہیں؟ کیا ایک مسلمان کے ساتھ مکر وفریب نہیں ہے؟ کیا یہ سورۂ فاطر کی آیت نمبر ۲۳ ''وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَمَن تَزَكَّى فَإِنَّمَا يَتَزَكَّى لِنَفْسِهِ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ہ'' نہیں پڑھے ہیں کہ جس میں رب کائنات نے تنبیہ کی ہیں کہ '' کوئی کسی کا نہ دنیا میں نا ہی آخرت میں کہیں پر بھی کچھ بھی بوجھ نہیں اٹھائے گا! نیز یہ کہ انسان جو کچھ بھی غلط اور صحیح عمل کر رہا ہے حتی کہ اپنے سر کے بوجھ لدے کو کوئی دوسرے کو اٹھانے کے لئے بلائے بھی تو کوئی اس بوجھ میں سے کچھ بھی آ کر نہیں اٹھائے گا۔چاہے وہ اس بوجھ اٹھانے والے کا (باپ، ماں، اور کوئی خونی وقریبی) رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں!

ان بعض منحوس حافظ قرآن اور عالم دین کے طرز پر مزید بہت سے ایسے ایسے سوالات ہیں۔جن کے جوابات ایسوں کو قدرت ہی کی طرف سے مذکورہ حدیث کے سبب انتظار کرنا چاہئے! پس نیک اور صالح انسان کو اور قدرت کی طرف سے '' تقدیر'' پر ایمان لانے والے اور جہنم سے بچنے اور جنت کی امید رکھنے والے فرزندوں کو یاد رہے کہ یہ معاشرت کی درستگی کا کوئی اسلامی، الہی اور صحیح طریقہ نہیں ہے۔

آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے بڑھ کر کوئی شوشل ورک، سماجی خدمت کرنے والا، خصوصا عورتوں اور مظلوموں

،معصوموں کے حقوق دلانے والا پیدا ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ایسے غمخوارِ امت ﷺ نے سماج میں پیدا ہونے والی حقیقی برائیوں کو پھیلانے اور سبھوں کے بیچ میں پیش آمدہ معاملہ کو لاکرکسی کی عزتِ نفس کو نیلام کرنے کے بجائے خاموش طریقے سے جہاں جہاں اس طرح کے معاملات پیش آتے ہیں۔وہیں وہیں انہی سرکلوں میں عدل سے فیصلہ کردینے کی الٰہی تعلیم دی ہیں۔بات بتنگڑ،اور کھود کھود کر سوالات اور ان کے جوابات لینے دینے سے کسی کے حقوق مل نہیں جاتے ہیں۔بلکہ ان کی عزتِ نفس،ذاتی یعنی پرسنل حیثیت عرفی کی نیلامی اور ایسی بدنامی ہوتی ہے کہ نتیجہ اس کا ہمیشہ عذاب میں رہنے والی ''حرام موت''یعنی''خودکشی''نصیب ہوتی ہے۔

اس لئے اپنے گھریلو اور ذاتی معاملات ہوں یا کہ سماجی اور ملکی معاملات،شریعتِ مطہرہ نے جو فیصلے کے شرعی اور قرآنی قوانین بتلادی ہیں،ان کو مفتیان کرام کے پاس جاکر خاموشی سے ایکسپٹ کر کے انہی کی روشنی میں حل کرلینا چاہئے۔یہی حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن مجید کے پارہ نمبر۳/آیت نمبر۱۵۲/کے اندر اپنے کلام'' أَذَا تَنَازَعْتُمْ فِيْ الأَمْرِ وَ عَصَيْتُمْ الخ.... کے اندر اعلان کر کے سمجھا دیا ہے کہ''کسی معاملے میں جھگڑا کرنے کے وقت اللہ کی طرف سے تصفیہ اور جھگڑے ختم کرنے کے حکم سنائے جانے پر اللہ کے حکم و ہدایت کو نہ ماننے والے لوگوں کی فتحیابی اور سکون کو تکلیف میں بدل کر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لیتے ہیں تا کہ صرف اللہ کے حکم کو مان کر چلنے والے بن جائیں اور پیش آمدہ تکلیف کی اصل وجہ سمجھ کر دوبارہ تکلیف میں پڑنے والا کام،،بولی،اور،رویے اور سلوک نہ کریں۔

بہت افسوس کا مقام ہے کہ انسان قرآن،حدیث،صحابہؓ اور ان کے تبعین،پرہیزگار،صالحین،صدیقین اور علماء و مفتیان کرام کے ذریعے نبوی اور الٰہی ہدایات وقوانین کو جانتے ہوئے تیسرے اور ثالثی کے قول و بول اور محبت میں عداوت و دُشمنی کو نہیں سمجھ پاتے ہیں۔بہت سارے اپنے خاص وقریبی لوگ،اس بیماری میں بوجہ حسد مبتلا ہیں کہ فلاں ترقی پہ ہے۔اس کا فلاں کام اتنا اچھا کیسے ہوگیا۔کسی کی ترقی اور اچھائی کو دیکھ کر خود محنت کر کے ان کی طرح ترقی کرنے اور ترقی کرنے والوں سے محبت کر کے صحیح راستہ اختیار کرنے کو چھوڑ کر ترقی کرنے والوں سے ہی دشمنی کرنے لگتے ہیں اور تدبیر یا تو براہِ راست کرنے لگتے ہیں یا کہ اپنے درمیان کسی اور اپنے جیسے دوغلے کو منتخب کر کے،اسکے ذریعے اعتراضات،بے جا جملے،نفرت میں آنے والے اور انتشار پیدا ہونے والی شکلیں،صورتیں پیدا کرنے لگتے ہیں۔

ان کے اس دشمنی والے رویے سے سامنے والا،جس سے دشمنی کی جارہی ہوتی ہے۔وہ یہ نہیں سمجھ پاتا ہے کہ یہ میری زندگی کا دشمن ہے۔میرے سکون کو چھیننے کے لئے شربت میں زہر گھول کر کسی کے اشارے سے مجھے میٹھے بول وتعریفی رویے سے پلارہے ہیں۔

مثلاً!زید سے فریدہ کی شادی ہوئی۔والدین انتھک کوشش سے جان و مال خرچ کر کے سودی،بیاج لے کر،پرپرٹی بیچ باچ کر،برسوں سے تھوڑی تھوڑی رقم جمع کر کر کے،بڑی کوشش کے بعد پریشانی کے ساتھ اولاد کی شادی کی۔مگر مقدر سے لڑکا یعنی''زید''کو بیوی کالی بھجنگی مل گئی،یا لڑکی ہی کو''لڑکا''ایک دم''کالا کلوٹھا''مل گیا۔اب شادی کے بعد لڑکا یا لڑکی اپنے شوہر یا بیوی کے اندر عیب تلاشنا شروع کردیا کہ''کالا ہے۔موٹا ہے۔بیلا ہے۔پیلا ہے۔کورا ہے۔بے ڈھنگا

اور بے عقلا ہے۔جوڑھیا اور سست ہے عادت صحیح نہیں ہے۔منہ مہکتا ہے۔ہونٹ بڑا ہے۔بولنے نہیں آتا ہے ۔بھاشانہیں سمجھتا ہے۔فلاں زبان بولنے نہیں آتا ہے'' وغیرہ وغیرہ اس ہو چکنے والی شادی کے بعدلڑکی شوہر پر اوراسی طرح لڑکا لڑکی پر نکتے نکالتے اوراعتراضات کرتے ہیں۔

جان لیجئے !میاں بیوی میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر شادی کے بعد اس طرح کی شکایات شروع کریں تو یہ'' پرلے درجے'' کی بداخلاقی ہے۔یہ اس لڑکے یا لڑکی پر نہیں، بلکہ براہ راست خالق حقیقی کی اصلی کی بناوٹ پر اعتراض اور انگلی اٹھانا ہے۔عام طور سے ایسے لڑکے یا لڑکیوں کو ان کے فرینڈ،ساتھی اور سہیلین لوگ تعریف کے جملے بول بول کر لڑکی کے نوشہ میں عیب نکال نکال کر کہتی ہیں'' کیا جی! کیسا نوشہ ہے تمہارا! دیکھ دکھا کر شادی کرنا نہیں! دیکھو! ایک دم کالا ہے نا! تمہاری خوبصورتی کے مقابلے میں بالکل نہیں میچ کھاتا ہے۔خدانخواستہ لڑکا موٹا بھی ہے تو وہ بھی سہیلی کہتی ہیں'' دیکھو! کتنا موٹا ہے۔بالکل جوڑ نہیں ہے۔اگر لڑکی لڑکے سے کسی زبان میں تیز ہے۔

مثلاً آج کل انگلش کا رواج زیادہ ہے۔ایسے ماحول میں اگر لڑکے کو انگلش بھی خدانخواستہ نہیں آتی ہے تو اس کے لئے بھی اعتراض کرتے ہوئے لڑکی سے اس کی سہیلن کہتی ہیں کہ! اسے تو بالکل انگلش بھی نہیں آتی ہے جی! کیوں نہ انگلش اسپیکنگ والے سے تم نے نکاح کی۔تمہارے ماحول، زبان، صلاحیت وخوبصورتی کسی چیز میں ٹھیک ٹھاک نہیں ہے! بہت بڑی غلطی ہوگئی۔

اسی طرح اس اَن میچنگ جوڑے کی باتیں کہ کہ کر لڑکی کے والدین اور شادی کرانے والوں پر بھی الزامات لگانا اس طرح شروع کر دیتے ہیں کہ تمہارے ماں باپ کو لڑکے کو دیکھ کر کرنا چاہئے تھا۔بغیر دیکھے کر لئے! وغیرہ وغیرہ۔اس طرح کی باتوں کو سن سن کر بیچاری نئی نویلی'' دلہن''یعنی لڑکی دل چھوٹا کر کے غم میں پڑ کر کہتی ہے کہ'' میں ہزار بار بولی کہ میں فلاں سے شادی نہیں کرتی تو نہیں کرتی! لیکن ہمارے والدین نہیں مانیں اور زبردستی شادی کر دیئے۔

اس طرح حاسدوں، بداخلاقوں اور گھر توڑ باتیں کرنے والے بدتمیزوں کے جملے سن سن کر لڑکی یا لڑکا، اپنے گھر میں اپنے خیال اور'' میری مرضی'' کے عقیدے میں اور پختہ ہو کر اپنے حالات کو خراب خود کر لیتے ہیں۔اگر لڑکی ہے تو وہ اپنے شوہر اور اس کے گھر والوں سے، اور اگر میٹر لڑکے کا ہے تو لڑکا اپنے گھر والوں سے اور اپنے سسرال سے رویہ، چال چلن، بالکل بدل دیتے ہیں۔ازدواجی زندگی کے سفر کے رُخ کو بدل کر لڑکی شوہر کی بے عزتی کرنے لگتی ہے۔اسے جھڑکانے لگتی ہے۔قریب آنے نہیں دیتی۔اس میں عیب نکال کر اس کی حیثیتِ عرفی کو ختم کر دیتی ہے۔یعنی نو ریسپیکٹ کے جملے، رویے، اختیار کرنے لگتی ہے۔ساتھ ہی اپنے بڑوں اور اپنے ہی کفیل و سرپرستوں کے دلوں کو بھی چکنا چور کرنا شروع کر دیتی ہے۔اپنوں ہی میں آپسی نفرت کی وہ فضاء بناتی ہے کہ کوئی تیسرا گھر کے کسی فرد کو کسی خاص میٹر میں تکلیف دیتا ہے تو نااتفاقی کے سبب اس کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔اس میں ساتھ تک نہیں دیتی، اور خوش فہمی میں بجائے اپنوں کو بچانے اور دوسروں سے دفاع کرنے کے وہ بھی اپنے مقدر پر ایمان نہ لا کر دشمن کے ساتھ مل کر دشمنی کرنے لگتی ہے۔

اس کی وجہ درحقیقت آپسی انتشار و بگاڑ میں کوئی تیسرا شیطان ہوتا ہے۔مگر سننے والے لڑکے اور لڑکیوں کو کچی عمر اور

نا تجربہ کاری کے سبب شعور نہیں ہوتا۔ وہ اپنے دوست اور سہیلی کو سہیلی اور ہمیشہ ساتھ رہنے کے سبب غلط کہنے کے لئے تیار بھی نہیں ہوتے ہیں۔ اس طرح معاملہ بگڑ کر برباد ہو جاتا ہے۔ کئی ایک خاندان اس تدبیر سے اجڑ چکے ہیں۔ لیکن اپنے دوست و فرینڈوں کو ہرگز غلط نہیں سمجھتے ہیں۔ یعنی سانپ آستین ہی میں رہتا ہے۔ مگر اسے سانپ نہیں دوست سمجھا جاتا ہے۔

حالانکہ تکلیف غیروں سے نہیں۔ اپنوں سے ہی آتی ہے۔ بلکہ تاریخ عالم کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ تکلیف اور نقصان اپنے رشتے دار، دوست احباب سے ہی پہنچا ہے۔ ایک قول کے مطابق حضرت امام حسینؓ کو ان کے اپنے سوتیلے بہنوئی ''شمر ذی الجوشن'' نے شہید کیا تھا۔ ٹیپو سلطان کو اسی کا اپنا خاص آدمی ''میر صادق'' نے گرفتار کروا دیا۔ آئے دن گھر کے جھگڑوں میں کوئی نہ کوئی اپنا حون ہی شامل ہوتا ہے۔ اس کی لمبی فہرست ہے۔ مجھے تو بس یہ بتلانا ہے کہ تکلیف ہمیشہ اپنوں اور دوستوں سے ہی پہنچی ہے۔ کیوں کہ یہ آستین کے سانپ بنکر ہر عیب و عادت سے واقف ہوتا ہے۔ جسے دشمنی کے موقع سے عداوت کے طور پر استعمال کر کے بلیک میل کرتا ہے اور دشمنی کرنے میں دلیل بناتا ہے اور بدنام کرتا ہے۔ ایسا قریبی شخص کوئی غلط الزام بھی لگا دیتا ہے تو دوسرا شخص اسے بآسانی مان لیتا ہے کہ یہ اس کا قریبی تھا!

ورنہ سوچئے! غیر کو کیا ضرورت ہے کہ وہ آپ کو تکلیف دے گا۔ وہ تو آپ کو جانتا ہی نہیں ہے۔ اگر وہ تکلیف دینا چاہے بھی تو اچانک کچھ نظر آ جانے سے فوری تکلیف پہنچا کر اوباشی کر کے ہمیشہ کے لئے غائب ہو جائے گا۔ اسی طرح کسی خاص اور پہچان کے لوگوں سے بک کر کچھ کر سکتا ہے۔ ورنہ درحقیقت تکلیف و مصیبت عموما اپنوں ہی سے آتی ہے۔ مقولہ مشہور ہے ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے''۔

یہی حقیقت بھی ہے کہ گھر کا بھیدی تمام حالات سے واقف ہوتا ہے۔ جب تلک محبت رہتی ہے۔ دوست بنا خیر خواہی کرتا رہتا ہے۔ جب کسی وجہ سے بگاڑ ہو جاتا ہے تو وہ تمام جانے ہوئے حالات کو سامنے لاکر بے عزتی کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جس حال کو کل محبت کی دنیا میں وہ صبر کر کے جینے کے لئے تلقین کرتا تھا۔ اسی حال کو اب بگاڑ کے دنوں میں عیب بنا کر پیش کرتا پھرتا رہتا ہے۔ اس لئے ہر حال میں صحیح عقلمندی یہی ہے کہ اپنے خونی رشتے داروں، دوستوں اور فرینڈوں سے محتاط و ہوشیار رہیں۔ کسی کو راز والی باتیں نہ بتانی چاہئے۔

لیکن! عجیب تف ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں اچھی خاصی تعلیم حاصل کر لینے کے بعد بھی اچھا ماحول کو جنم نہیں دیتے ہیں۔ مگر برے ماحول کو تیزی سے ایکسیپٹ کر کے اسی کے مطابق ڈھل جاتے ہیں۔ اس کی خاص وجہ دراصل لڑکی یا لڑکی سے کہے جانے والے لفرتی جملے، کہنے والوں کو لڑکے، لڑکیاں حقیقی دوست اور خیر خواہ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ جبکہ یہ دوستی اور محبت نہیں، بلکہ اللہ تعالی کے فرمان سورۂ یوسف/آیت نمبر/۵/میں ''أَنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ'' کہ کر تنبیہ کر دی ہیں کہ ''شیطان'' انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اسی طرح سورۂ اسرا کی آیت نمبر ۵۳/'' أَنَّ الشَّيْطٰنَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ أَنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا'' اور سورۂ انعام آیت نمبر ۱۲۱/أَنَّ الشَّيٰطِينَ لَيُوحُونَ أَلٰ أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَأَنْ أَطَعْتُمُوهُمْ أَنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ'' کہ شیطان ہمیشہ اختلاف ڈالتا رہتا ہے اور اسی کے لئے وہ ہمیشہ کوششیں کرتا اور دلووں میں خیال ڈالتا رہتا ہے، تا کہ تم لوگ آپس میں جھگڑتے رہو۔ پس جو لوگ اپنی تقدیر کے لکھے

کواور اللہ کی آزمائشوں کو بھول کر شیطانی وسوسوں کو قبول کر کے آپس میں جھگڑنے لگتے ہیں۔ وہ لوگ یقینی طور پر اللہ کے صفت خاصہ اور قوت حقیقیہ کو چھوڑ کر بہک جاتے ہیں۔یعنی وہی لوگ مشرک ہیں۔

پس اللہ کی تعلیم کی روشنی میں یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ اور خصوصا نئے دلہا ودلہن شادی کے بعد اپنے جوڑوں میں کچھ کمی پا کر جو کسی تیسرے کی سن کر دل کو چھوٹا کر کے غمگین ہو جاتے ہیں اور آپس میں بناؤ کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ شیطان کی شیطانیت اور دشمنی ہوتی ہے۔ جسے یہ لوگ سمجھ نہیں پاتے ہیں۔ یہ ان کی بہت بڑی اور بھاری غلطی ہوتی ہے۔

ممکن ہے کہ کسی شادی شدہ کا جوڑا، انکی مرضی کے موافق نہیں ملا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی کا جوڑا چند ایسی چیزوں اور صفات میں میچنگ میں نہ ہوں۔جنہیں وہ چاہتے ہوں۔لیکن یہ تو انکی چاہت تھی۔اللہ کی چاہت اس بارے میں تھی یا نہیں۔ وہ انسان نہیں جانتا ہے۔اس لئے جو ہو گیا۔ وہی اللہ کی چاہت تھی۔

قرآن مجید تو تقدیر کی تعلیم دیتا ہی۔ میں ایک سناتنی آر ایس ایس کی لیڈیز کا سنسکرتی عقیدہ کے موافق ایک بیان کو پیش کرتا ہوں! وہ ''بھگوان/یعنی اللہ'' کے بارے میں کہتی ہیں کہ بھگوان اپنے بندوں سے کہتا ہے''تو کرتا وہی ہے کہ جو تو چاہتا ہے، اور ہوتا وہی ہے، جو میں چاہتا ہوں تو تُو، کر وہی جو میں چاہتا ہوں۔ پھر ہوگا وہی جو تو چاہتا ہوں''!

کتنی اچھی بات اس نے کہی۔ بالکل صحیح سنسکرتی تعلیم اس نے لوگوں کو دی ہیں! یہی تقدیر ہے''۔انسان صرف اللہ تعالی سے اپنے کرتوت کے موافق چاہتا ہے۔مگر اس کی چاہت ضروری نہیں کہ اس کے رب کی چاہت کے موافق ہو۔ ہاں! اگر یہ رب کی چاہت کے موافق کام کرتے ہوئے فرماں بردار بنجائے تو رب تعالی اس کے مفید اور پرسکون ماحول کے لئے بندہ کے فرماں بردار ہونے کی وجہ سے اس سے خوش ہو کر اس کے لئے مفید ترین اور پرسکون حکم جاری کر دیتا ہے۔مگر یہ تعلیم ومزاج خود والدین لوگ بلکہ پورے سماج کے لوگ اپنی تربیت میں رہنے، پلنے والے بچے بچیوں کو نہیں دے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لڑکے اور لڑکیاں کام مکمل ہو چکنے کے بعد بھی اس کام میں اپنی چاہت کے لئے مسئلہ کھڑا کر دیتے ہیں کہ جو بعد میں پورا کیا نہیں کیا جاسکتا ہے۔اگر پوری کی جائے تو بدنامی مقدر ہوتی ہے۔جیسے زبان دانی، نوکری، وغیرہ وغیرہ۔

ممکن ہے کہ کسی خوبصورت، باصلاحیت فرد کو بدصورت جوڑا ملا ہو۔مگر ان حاصل ہو جانے والی چیزوں کے علاوہ دیگر چیزوں میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہو کہ بدصورت زیادہ نہ ہو۔مگر مزاج کا درست ہو۔کمپرومائز اور ارجسٹ کر کے چلنے والا خاموش اور بااخلاق مزاج ہو۔ زندگی کو اچھی طرح ہینڈل کرنے والا یا والی ہو۔ اچھے خاندان اور اونچے علم والے خاندان میں ان دونوں جوڑوں کا نکاح اور اس کے تمامی امور و فنکشنس تعریف کے ساتھ بالکل ٹھیک ٹھاک فنکشن ہوئے ہوں۔ جن سے معاملے کو اور جوڑے کو بگاڑنے کی سازش اور اچھی خاصی تعریفی ماحول کے ساتھ ہوئے نکاحی جوڑے کو بدنامی کے فولڈر میں لے جانے والے دشمن لوگ خفیہ سازش کر کے، اور اس مقصد کے لئے، اپنے بیچ میں کسی کو رکھ کر دلہا یا دلہن کے تعلق سے غلط باتیں اور عیبوں کو نکال نکال کر عام کرتے ہوں، تاکہ معاملہ بگڑ کر گھر جہنم بن جائے۔عموما اس طرح کی حرکتیں ور معاملہ بگاڑنے والا تیسرا یا تیسرے کا چچا اور قریبی وہ لوگ ہوتے ہیں، جن کے گھر

میں خوشی ومسرت کے ساتھ تعریف کے قابل شادیانہ فنکشن نہ ہورہا ہو یا کوئی مفاد وابستہ ہو۔
معاملے کو بگاڑنے کے چکر میں رہنے والے لوگ، اگر مسلمان اور اپنا ہی قریبی ہے تو یقیناً اس کو بحیثیت مسلمان کے ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ کیوں کہ یہ منافقانہ چال ہے۔ اس منافقانہ چال کا اسے قدرت کی طرف سے جواب ضرور ملے گا۔ حدیث رسول ﷺ "مَنْ ضَحِكَ ضُحِكَ" کہ جو کسی پر ہنستا ہے (کسی سے منافقت ودشمنی کرکے جھگڑا کرواکر دوستی میں رہتے ہوئے دوست بن کر، سہیلی بن کر کسی کو اجاڑ کر، اس کے گھر کے حالات کو پیچیدہ اور نفرتوں کی آگ میں جلا کر) ان کے حالات کو دیکھ کر ہنستا تماشا دیکھتا ہے تو وہ بھی سکون سے اور محفوظ ہرگز نہیں رہ سکتا ہے۔ یقیناً وہ بھی جس کو جس طرح سے بگاڑ کر ہنسا ہے۔ کسی سے بگڑ کر پریشانی مبتلا ہو کر ضرور رُوئے گا، تبھی مرے گا۔ اس سے پہلے وہ مر نہیں سکتا ہے۔
یاد رہے کہ ایسے شادی شدہ جوڑے جو دوسروں کے وسوسوں سے متأثر ہو کر اپنی زندگی کو جہنم بنانے لگتے ہیں۔ نہایت کم عقل ہیں۔ انہیں قرآن مجید کے پ۳/ ۳/آیت: ۳۱/ "قُلْ اَطِیعُوا لِلّٰہَ وَالرَّسُولَ فَاِنْ تَوَلَّوْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَایُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ " کو ہمیشہ یاد رکھ کر پہلے اپنے اللہ کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد ان کے رسول ﷺ کی فرماں برداری اور اتباع کرتے ہوئے صبر وتحمل اور شکر الٰہی کے درمیان زندگی گذارنے کے لئے فیصلہ کرتے ہوئے اپنے اور اپنے والدین، خاندان کے نام کو بدنامی سے بچانا چاہیئے۔ اسی طرح دوسری آیت کی روشنی میں اولوالامر حضرات یعنی ماں، باپ، ٹیچرس، اور شرعی صاحب الرائے شخصیتوں کی اطاعت کرنے کو اپنا فریضہ سمجھنا چاہیئے۔
جو لوگ اللہ کے اس حکم کے مطابق فرماں برداری نہیں کرتے ہیں اور "میری مرضی اور خوشی" ہی کا ترانہ اور گانا گاتے رہتے ہیں، اور اللہ کے فرمان سے پھر جاتے ہیں تو انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اللہ کے حکم وفولڈر سے باہر نہیں ہیں۔ وہ اللہ کو کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے ہیں۔ جبکہ انسان کی کامیابی اس کی اپنی مرضی اور خوشی کی چاہت میں نہیں "اللہ تعالیٰ" کی مرضی اور خوشی کے مطابق اطاعت کرنے میں ہے۔
ضرورت ہے کہ ایسے بچوں کو پہلے نصیحت کرنے والے دفعۂ قرآنی کے مطابق تربیت کی جائے اور سدھارا جائے۔ اگر انتھک نصیحت والے قانون کے بتلانے سے بھی نہ سدھرے تو اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول ﷺ کے "ڈنڈے" اور "مارو تھپڑ" والے قانون "و اعد و لهم ماستطعتم من قوه و رباط الخيل " کے قانون کو استعمال کرکے سرپرستوں کے لئے "زبردستی" کرنا غلط نہیں، بلکہ فرض ہے۔
کیوں کہ "قُوا أَنفُسَكُمْ وَ أَهلِيكُمْ نَارًا" اللہ تعالیٰ کا پیش کردہ قانون ہے کہ "خود کو اور اپنے کل اہل وعیال کو تکلیف سے بچاؤ"۔ پس جہاں پر جو جس معاملے میں تجربہ کار اور باصلاحیت ہوں، اچھے و برے کی حقیقت اور قانون کو جانتے ہوں، انہیں خود کو بھی اور اپنے متعلقین واولاد کو بھی ان برے حالتوں میں جانے سے بچانے کے لئے خود سے آگے آنا چاہیئے۔ اسی فولڈر وسوچویشن میں تمام انبیاء وامام حضرات اور جاننے والے طبقہ کے لوگ ہیں۔ البتہ ان لوگوں کی ذمہ داری صرف راہ دیکھانے کی ہے۔ زبردستی کرنے کی نہیں۔
ہاں! جو لوگ ان عقلمندوں کی الٰہی وشرعی باتوں اور نصیحتوں کو نہ مانیں اور من موجی اور میری مرضی کے خیال کے

عقیدہ میں پختہ اور نہایت ڈھیٹ ہو جائے ،تو دیکھا جائے گا کہ اس سوچویشن میں ڈائریکٹ اللہ کا کیا حکم ہے؟ اگر فرائض و عقیدے کا سوچویشن ہے۔جس سے ایمان ضائع ہو رہا ہو تو اس سوچویشن میں اللہ کے موجودہ حکم کے موافق عمل کیا جائے گا۔ورنہ سامنے والے کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔

جیسے کہ انتھک کوشش و نصیحت کے باوجود ''زنا'' جیسے بری لت سے کوئی باز نہ آئے ،تو اس معاملہ میں شریعت کا حکم دیکھا جائے گا۔جب شریعت کا حکم دیکھا تو شریعت یعنی اللہ کے قانون میں اس میں شادی شدہ کو قتل کر دینے کا اور جو شادی شدہ نہ ہوا سے ۱۰۰ کوڑے مارنے کا حکم ملتا ہے۔لہٰذا اسی حکم پر ہر حال میں عمل کیا جائے گا۔ایسے گنہگاروں کی کسی بھی اعتبار سے مدد نہ کی جائے گی نا ہی ان پر کسی بھی گوشے سے رحم کیا جائے گا۔تا کہ اس جیسے ناپاک مزاج والوں کے ساتھ رہ کر کوئی دوسرا شخص بگڑ نہ جائے اور معاشرت میں نافرمانوں اور قابیل جیسا شیطان بیٹا اور اقلیما جیسی شیطان بیٹی دو بارہ پیدا نہ ہو۔

اس لئے واضح ہے کہ کوئی ''اپنی مرضی'' نہ چلائے۔بلکہ اس عقیدہ اور خیال کو طلاق دے کر اپنے تمامی معاملات و مسائل کو صرف اور صرف اللہ کے اوپر سونپ دینا چاہئے اور ساتویں آٹھویں کلمے میں مسلمان بچوں کو جو عقیدہ یاد کرایا جاتا ہے کہ ''اللہ'' پر اس کے ''رسول ﷺ'' پر، اس کے ''فرشتوں'' پر، اس کی ''کتابوں'' پر ''قیامت کے دن'' پر ''تقدیر کی اچھائی اور برائی'' پر ایمان لایا۔ایمان لانا چاہئے۔

ساتویں کلمے میں ''اللہ'' پر ایمان لانے کا مطلب ''اللہ کی مان کر چلنا ہے۔یعنی اللہ اپنے فضل سے، صحیح عمل اور ان کے حکم کے مطابق چلتے ہوئے جس حال کی زندگی وہ بخشیں۔اس پر راضی رہیں۔''فرشتوں'' پر ایمان لانے کا مطلب ہے وہ چیزیں جو انسانی علم سے باہر ہیں۔وہ بھی اس دنیا میں موجود ہیں۔یہ انسان کو نظر نہیں آتے ہیں۔لیکن چونکہ ان کے وجود کی خبر قرآن مجید کے ذریعے خود اللہ تعالیٰ دے رہے ہیں۔اس لئے اسے ہر حال میں ماننا ہے۔

چونکہ قرآن فرشتہ کے موجود ہونے کی اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعے سے خبر دیتا ہے۔جسے انسانی محدود میموری و اسپیس والی عقل اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔کیوں کہ اس کے اندر اتنی بڑی بات اس کے اسپیس سے ہی باہر ہے۔اس لئے عقل چاہے یا نہ چاہے۔بہر حال فرشتہ کو ماننا ہے کہ ''وہ ہے''۔اللہ تعالیٰ کے اس خبر کو کہ اسے مانو! کے حکم کو، یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ ''میری مرضی''۔میری عقل نہیں مانتی ہے۔اس لئے ہم فرشتوں کو نہیں مانیں گے۔یہ اسلام دین کے ماننے کا معنی غلط ہو گیا۔

اسی طرح اللہ کی پچھلی اور آخری کتاب قرآن مجید پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے یہ براہ راست اللہ کے کلام کے مجموعہ اور انسان کے پرسکون زندگی کے لئے ہدایاتی دفاتر و نسخے وقوانین ہیں۔اس لئے ان کو اور اس کے علاوہ پچھلے دور میں بھی جو جو حکم اللہ نے دی ہیں۔ان سبھوں کو ماننا ہے۔ان کے خلاف میں نہیں جانا ہے۔اگر کسی چیز میں مثلاً ''شادی'' کے معاملے میں کوئی لڑکا اپنی مرضی کی لڑکی نہیں پایا۔اسی طرح کوئی لڑکی حسین وجمیل اور صلاحیت مند ہے۔اس کی پسند کا لڑکا نہیں ملا اور شادی ہو گئی،تو اب حکم ربانی یہ ہے کہ ''انہیں یہ نہیں کہنا ہے کہ ''یہ نکاح'' میری

مرضیٰ'' سے نہیں ہوا''۔

اسی طرح اپنے خیال کے مطابق ضد کرتے ہوئے اپنے من موجی رویے، طرز معاشرت، رہن سہن اور چال چلن کے طریقے سے پرسکون ماحول کو خراب کر کے، گال وال پھلا تلا کر شادی کرانے والوں سے بات بند کر دینا، ان پر ناراضگی کا اظہار کرنا، ان کے خلاف بکواسیں کرنا اور اس معاملہ کو لے کر گھر کو اور فیملی کے درمیان سکون والے ہنسی خوشی والے ماحول کو منتشر کر دینا، طرزِ معاشرت میں منہ بنا کر، رویے غیر شرعی اختیار کر کے، معاشرت کو برباد نہیں کرنا چاہئے۔

آج کل کم عقل اور میموری والے بچے اور بچیوں کو انگریزی تعلیم اور کلچر کے اثرات سے موڈرن خیالات کے سبب خصوصاً انگریزی بول چال اور خوشحا زندگی کے لئے کمپنیوں اور اسکولوں کی غلامی اور نوکری کے خیال کے سبب من پسند اور مرضی کے رشتے نہ ملنے کے سبب غیبتوں اور اندر کی باتوں کو عام لوگوں کی تحقیق کرنے پر بیان کر کے اپنے بزرگوں خصوصاً شادی میں اِنوال تمامی حضرات والدین وغیرہ کی تمام کوششوں اور محنتوں اور کل اخراجات پر پانی پھیر کر غیبت، شکایت وغیرہ شروع کر دیتے ہیں۔

جبکہ اللہ تعالیٰ نے معاشرت میں جینے کے لئے صاف صاف طریقہ سورۂ حجرات کی آیت نمبر ۱۲/ میں بتلا دی ''أُجتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ أَنَّ بَعضَ الظَّنِّ أَثمٌ وَلَا تَجَسسُوا ولا يغتب بعضكم بعضاً أَيُحبُّكُم أ نُ يَّأ كُلَ لَحمَ أَخِيهِ مَيتًا فَكَرِهتُموهُ'' کہ ''بہت بدگمانی کرنے سے ہر حال میں بچو! اسی طرح کسی ''لَا تجسسُوا'' یعنی ''کسی کے ''ٹوہ'' میں لگ کر جاسوسی مت کرو، اور ''کسی کی غیبت بھی مت کرو''۔ اگر ایسا کرتے ہو تو یہ اپنے مرے ہوئے سگے بھائی کے گوشت کو نوچ نوچ کر کھانے کی طرح ہے۔

''اللہ تعالیٰ'' کے ان سب حکموں کے خلاف کام کرنے سے گویا کہ براہ راست اللہ کو یہ چیلنج کرنا ہے کہ ''نعوذ باللہ'' اے اللہ! تو جو چاہتا ہے غلط کرتا ہے۔ بندے کو اگر پیدا کیا ہے تو انہیں تجھے ہر حال میں ''سکون'' ہی دینا چاہئے تھا، تو اس طرح کی پابندیاں کیوں لگاتا ہے۔ جبکہ یہ بالکل یہ غلط خیال اور سوچ ہے۔

اس لئے کہ باشاہ مکمل آزاد ہوتا ہے۔ اس کے قبضے کی چیزوں کو وہ جیسے چاہے، جس طرح چاہے، جتنی مرتبہ چاہے ۔بدل سکتا ہے۔ جب انسان آزاد ہوتا ہے اور اسے سہولتیں ہوتی ہیں تو بار بار تھوڑے تھوڑے ہی دنوں میں موبائل، گاڑیاں، کپڑے وغیرہ وغیرہ بدل لیتا ہے تو جس ذات نے ساری دنیا کو پیدا کر کے اس میں اشرف المخلوقات انسان کو بنائی ہیں۔ وہ اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں پر اپنا شاہانہ اور آزادانہ حکم کیوں نہیں چلا سکتا ہے۔

ایسے خالق کل اور اصلی بادشاہ و رب، جس نے صاف صاف ''ان اللہ علی کل شی قدیر'' کہ کر اعلان کر دیا ہے کہ ''اللہ ہی سب چیزوں پر قادر ہے اور کوئی نہیں! ایسے رب کائنات کے سامنے غلیظ پانی سے پیدا ہونے والے کم میموری اور بلکہ بے حیثیت بندے کا یہ کہنا کہ ''میری مرضیٰ'' میں جو چاہوں کروں''۔ فلاں کام ''میری مرضیٰ'' سے نہیں ہوا۔ بلاشبہ ''جرم عظیم'' ہے۔ بلکہ یہ خیال رکھنا ڈائریکٹ ''اللہ'' کی ذات پر چیلنج کرنا اور انہیں دھمکی دینا ہے کہ فلاں کام تجھے کرنا ہے تو بس کرنا ہے۔ یہ نہایت غلط اور شیطانی مزاج میں پھنسنے کے سبب ہے۔ کیوں کہ کسی کو باپ کے پشت میں رہنے دینا، کسی کو

ماں کے شکم کی زندگی میں مار دینا، کسی کو ماں کے پیٹ سے باہر نکال کر فوراً مار دینا، کسی کو چند دنوں تک دنیاوی فضاء میں رکھ کر مار دینا، کسی کو نابالغ کی عمر تک رکھ کر مار دینا، کسی کو بالغ ہوتے ہی مار دینا، کسی کو شادی کے پروگرام کی ترتیب دینے کے وقت مار دینا، کسی کو نکاح کے وقت ہی مار دینا، کسی کو سفر میں مار دینا، کسی کو خوشی دینا، کسی کو غم دینا، کسی خوبصورت کو بدصورت سے جوڑ دینا، کسی بدصورت کو خوبصورت سے جوڑ دینا، کسی کو گونگا، بہرہ بنا دینا، کسی کو رعبدار بنا دینا، کسی کو محتاج و غریب بنا دینا، کسی کو کمزور بنا دینا، کسی کو امیر و بادشاہ بنا دینا، کسی کو کچھ کا کچھ کر دینا، کسی کو بھیک مانگنے پر مجبور کر دینا، کسی کو مجنوں بنا دینا، کسی کو ہوشیار بنا دینا، وغیرہ وغیرہ اللہ کی فیکٹری کی بناوٹ کے اندر، یا بعد میں کہیں پہ بھی، اللہ نے اعلان کر دیا ''أَنِ الحُكمُ اِلَّا لِلّٰہ'' اگر حکم چلے گا۔ مرضی چلے گی تو صرف اور ''اللہ'' کا حکم چلے گا۔ انسان کی مرضی نہیں چلے گی۔

البتہ اسے اختیار خیر اور شر، اچھے اور برے عمل دونوں کرنے کا اختیار اور مرضی دے کر برے کام سے بچ کر نیک کام کرنے کے لئے راستہ دکھلا کر بتلا دیا ہے کہ اگر برائی کے کام کے کرنے کے باوجود اللہ رسول اور بڑے بزرگوں کے عین شرعی مشورے سے زندگی گذارو گے تو دنیا اور آخرت دونوں میں خوشی حاصل ہوگی۔ اگر اطاعت الٰہی، اطاعت رسول اور اطاعت اولی الامر منکم سے ہٹ کر اپنی مرضی چلاؤ گے تو جیسے کرنٹ کے قانون سے ہٹ کر کام کرنے والا جل کر مر جائے گا۔ ایسے ہی تم بھی سمجھو یا نہ سمجھو! اسی طرح جس طرح پاگل جس طرح چاقو پر ہاتھ جان بوجھ کر رکھے یا دھوکے سے ہر حال میں اس کا بدن جس طرح کٹ جانا لازم ہے اسی طرح تم بھی یقیناً مر جاؤ گے!

پس جس طرح کرنٹ وغیرہ کے کام میں اپنی مرضی نہیں چلتی ہے۔ بلکہ کرنٹ کے استعمال کے قانون کی مرضی چلتی ہے۔ ایسے ہی دنیا اور اس کے اندر کے ہر کام میں ''میری مرضی'' کا خیال نہیں چلے گا۔ ''أَنِ االحكمُ اِلَّا لِله'' قانون رب کے مطابق صرف اور صرف اللہ کی مرضی ہی چلے گی۔ اس لئے کلمہ کے اندر جو کتاب پر ایمان لایا ہے۔ وعدہ کیا ہے کہ اس آخری کتاب کے قوانین کو اپنی زندگی اور جسم کے کل پارٹس کے اندر انسٹال کر کے اسی ریموٹ سے حرکت اور عمل کروں گا ۔کرنا فرض ہے۔

اسی طرح اس حرکت میں جہاں آرام ملجائے۔ اللہ کا شکر کرنا چاہئے۔ جہاں تکلیف ملے۔ وہاں استغفار اور اپنے غیر قانونی عمل کو قانونی دائرہ اور سرکل مطابق، رِیپیری کر کے قدرتی نارمل موڈ میں واپس آجانا چاہئے اور سمجھ جانا چاہئے کہ یہ میری کسی غلطی ہی کا خمیازہ ہے۔ پس کسی کو کوئی تکلیف ہوئی تو سمجھ جانا چاہئے کہ اللہ نے پیچھے کوئی نعمت دی ہیں۔ جن کی ناقدری ہوگئی۔ اس نعمت کے ٹھکرا دینے کے نتیجے میں آج کی مصیبت خود کی کمائی ہے۔

پس ''مَنْ اَسآء فَعَلَيْهَا'' جو غلطی اور ناقدری وغیر قانونی اور اطاعت ربانی، اطاعت رسول اور اولوامر کی رائے کے خلاف کرتا ہے۔ وہ شریعت کے حکم سے ہٹ کر منموجی اور غیر قانونی ورکنگ کے سبب تکلیف پاتا ہے۔ یہ تکلیف ملنے کے بعد سدھار کے لئے اللہ کی بتلائی ہوئی ترکیب وعلاج ''أُستَعِينُوا بِالصَّبرِ والصَّلوٰة'' کہ تکلیف اور مرضی کے خلاف کام ہو جانے پر ''صبر اور نماز پڑھ کر اللہ سے درستگی طلب کرنے اور دعاء کے ذریعے اللہ کے پاس جھک کر آئندہ اچھے کام قانون الٰہی کے مطابق کرنے کیلئے وعدہ کرنے کے کے قانون پر عمل کرنے کے بجائے اُلٹا اور ڈھیٹ ہو کر ''میری مرضی

نہیں چلی، باپ نے، ماں نے، یا فلاں نے میری مرضی چلنے نہیں دی۔اس لئے انہی لوگوں پر اپنی تکلیف کو تھوپنا، خلاف شریعت اور جہالت ہے۔ایمان اور شرعی علم کی کمی ہے۔کم فہمی اور اس میں ضد کرنا شیطانی کسی تیسرے کے سپورٹ سے ڈھیٹ پن ہے۔اسطرح ڈھیٹ پن خیال سے گھر کو جہنم بنانا، طرز معاشرت میں مزید احکامات الہیہ کی خلاف ورزی رویہ اختیار کرنا حرام وجرم ہے۔اس طرح حرکت بدنصیب لوگ ہی کرتے ہیں۔

اس لئے ہر حال میں انسان کو اپنی تقدیر پر ایمان لاکر ہمیشہ پہلے ''اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم '' کے تینوں حکموں پر ترتیب وار عمل کرنا چاہئے۔ بہت سے ناسمجھ لڑکے اور لڑکیاں خصوصا قرآن حدیث کی گہرائی اور ڈیپ علم سے کورے اور انگریزی کلچر میں تعلیم پانے والے بچے، بچیاں مکمل طور سے قابیل بن آدمؑ کی شیطانی راہ پر چلتے ہوئے ''میری مرضی'' کے خیال میں کسی چھوٹے بڑے کے کوئی حکم کی اطاعت نہیں کررہے ہیں۔ بلکہ موجودہ دور میں وہ اپنا سرپرست وہاٹس ایپ، انسٹاگرام اور انٹرنیٹ کے ذریعے غلط سلط اور غیر شرعی اجنبیوں کے مشوروں پر چل رہے ہیں جو کہ ان کی صریح اور کھلی ہوئی غلطی ہے۔

پس ہر انسان کو اپنی تقدیر کی اچھائی اور برائی پر یقین وعقیدہ رکھتے ہوئے یاد رکھنا ہر حال میں ضروری ہے کہ ''اس کا عقیدہ ''میری مرضی'' اللہ کی مرضی'' کے سامنے ہرگز نہیں چلے گی! فافہم وتدبر!

مفتی محمد سجاد حسین القاسمی نان پوری
بانی واڈیٹر ندائے طیب بنگلور
جامعہ دار الثقلین یاسین نگر بنگلور ۴۳۔کرناٹکا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆